

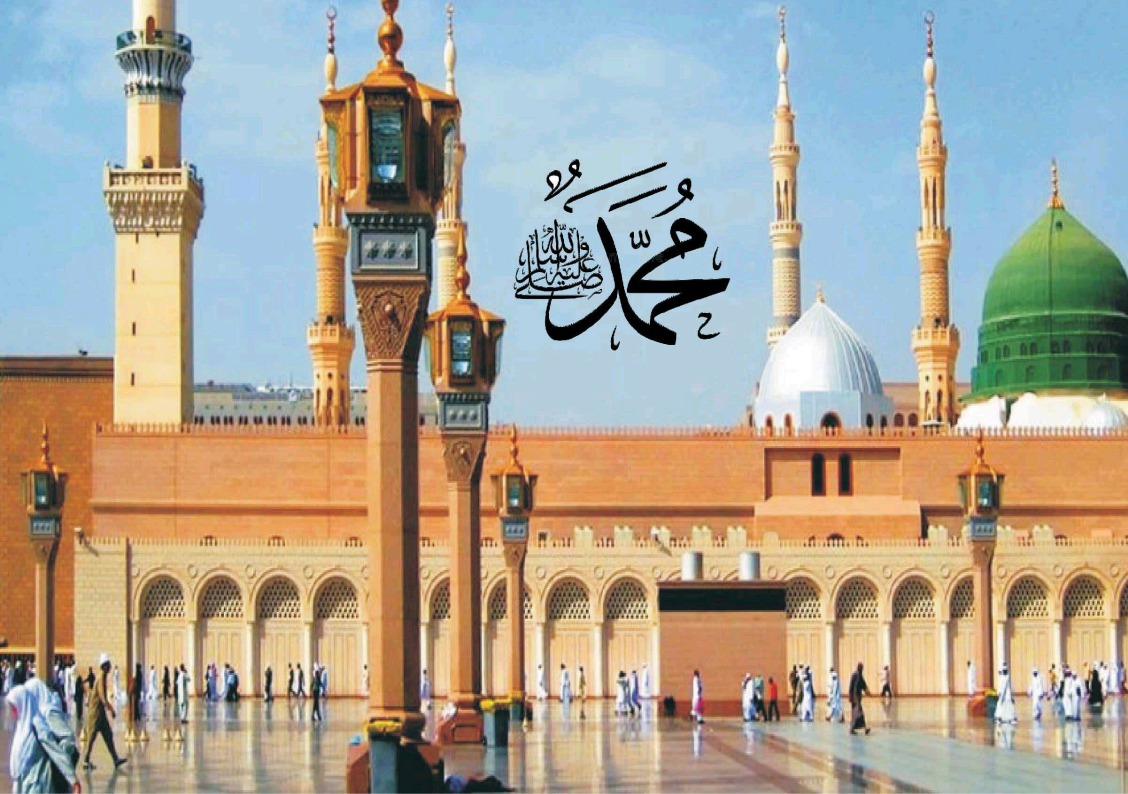
ماہ نامہ

نقوشِ الہ

OCTOBER 2021

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَحَلِّ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں



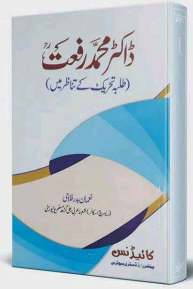
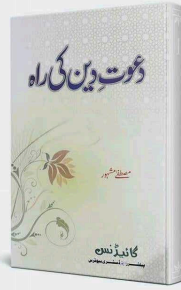
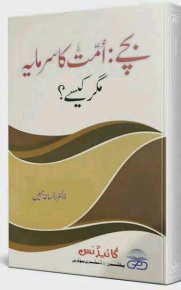
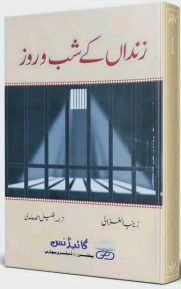
اسی سے نوع انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے

حجۃ الوداع کا پیغام

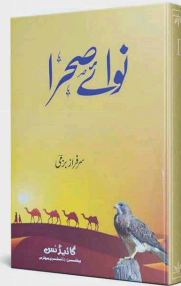
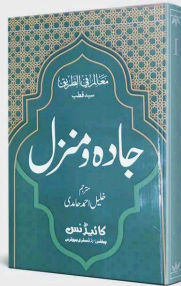
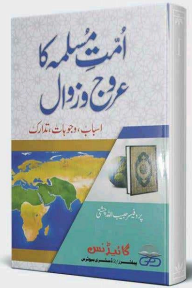
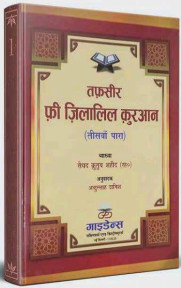
صلیبی جنگوں سے وار آن ٹیر تک

محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ

گائیڈنس پبلیشرز کی اہم مطبوعات



LIMITED TIME ONLY
ORDER NOW
CALL: 9599693655
gpddelhi2018@gmail.com



ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)



نقوشِ راہ

ماہنامہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد: 04 شماره: 7

اکتوبر 2021ء، صفر المظفر/ربیع الاول 1443ھ

فہرست مضامین

04	معاذ احمد جاوید	اداریہ
05	عبید الرحمن ابوحنبلہ	درس قرآن
07	اسامہ احسن	درس حدیث
9	محمد فارس نوشاد فلاحی	تجربہ الوداع کا پیغام
15	اسامہ عظیم فلاحی	اسی سے نوع انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے
18	عبداللہ	مخلوط تعلیم کا سائنسی تجزیہ
21	مختار احمد مکی	ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی
26	ابوصدق مندی	ولاء اور براہ: محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ
30	شاہنواز فاروقی	صلیبی جنگوں سے امریکی "وار آئن ٹیرز" تک
33	مریم جمیل فلاحی	گوشتہ خواتین: عورت ہیبت رسول کے آئینے میں
36	مبصر: ابوالفیض اعظمی	بک ریویو: افغانستان آخری صلیبی جنگ کا نقطہ آغاز
38	خان مبشر فردوس	گوشتہ اطفال: اللہ کے مددگار
40	شیر خاں	اقبالیات: محراب گل افغان
41		رپورٹ: بعنوان "دوڑو اپنے رب کی طرف"

چیف ایڈیٹر

معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر

اسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت

✽ پرویز نادر ✽ فیض الرحمن

✽ حذیفہ احمد جاوید

✽ صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر

پرویز نادر

زنگنه

فی شماره: -/20

سالانہ: -/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printer at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Apartment, Subhash Chowk, Akola.-444001 Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اکتوبر 2021ء

3

نقوشِ راہ



اداریہ

تاریخ کے افق پر مختلف قوتیں اور گروہ اٹھتے اور گرتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اقوام ملل ناص نظریات اور ادیان کی بنیاد پر اٹھیں، تو بعض نے مخصوص خطہ زمین میں بسنے والے لوگوں کو ایک گروہ یا قوم تسلیم کیا اور مخصوص تہذیب کی بڑی ثابت کرنے کے لئے اڑے اڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ علاقہ اور نسل کی بنیاد پر ہونے والی اس انسانی تقسیم نے "قومیت" جیسے نئے نظریہ کو جنم دیا جس کے نتیجے میں تاریخ کی دو عظیم فتوحیں، جنگ عظیم اول و دوم برپا ہوئیں۔ صرف ان ہی دو فتحوں میں ۸ کروڑ انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔ نظریہ قومیت کی اسی سفاکیت کو اقبال نے تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے فرمایا:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے نصیر ہے مقصود حجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے نارت تو اسی سے

ہمارے ملک کے کچھ سیاسی بازی گراس بحث کو از سر نو زندہ کر کے بھولے و نادان لوگوں کو اپنے دام میں پھانس رہے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ بھارت کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے پورنج (اسلاف) ایک ہی ہیں چنانچہ ان کا ڈی۔ این۔ اے۔ ایک ہے۔ اس لئے دھرم کے آوارہ (بنیاد پر کوئی تفریق مناسب نہیں ہے۔ مزید یہ کہ بھارت میں بسنے والے تمام لوگ طریقہ عبادت کے اختلاف کے باوجود تہذیبی طور پر ہندو ہی ہیں۔ آئیے! دیکھیں کہ ظاہری طور پر ساڑھے ساڑھے اسی لاکھ مسلمانوں کے درجہ کی قباحت رکھتا ہے اور اگر بروقت اس کی چوکنہی کبھی تو یہ ہماری تہذیبیں شناخت پر کیے گئے منہنی اثرات مرتب کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو اس دنیا میں بھیجا اور ان کے ذریعہ سے نسل انسانی کو پروان چڑھایا۔ اس طرح سے تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہوتے ہیں۔ ہم سب کے خالق کو یہ بات سمجھنی کہ ایک ہی ماں باپ کی نسل سے نکلنے والے انسان کی فطرت میں بغاوت اور روگردانی کا ایسا خمیر پایا جاتا ہے جو عدت کے شیرازہ کو بہت آسانی سے پارہ پارہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ انسان کو دنیا میں بھیجئے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو مندرہ کر دیا تھا کہ "تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے کوئی بدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری بدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لئے خوف و رنج کا موقع نہ ہوگا۔" (البقرہ)۔ کئی وقت کا عصمت کے اس پر مشرکین مکہ کو قرآن نے بار بار یہ سمجھایا کہ "کمبایہ باپ دادا کی پیروی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے والی بدایت پر عمل ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو؟" (البقرہ)۔ یعنی کام یا کامدار باپ دادا کی پیروی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے والی بدایت پر عمل کرنے پر۔ ہر دور میں تاریخ انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک تمام انبیاء کرام کے اپنے گھر والوں نے ہی ان کی مخالفت کی اور نتیجہ خال و مفضل قرار پائے۔ ان کو نبی کے باپ، بیٹے اور بیوی ہونے کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ خود اگ حضرت نے جب دعوت بخندگی تو لوگوں نے آپ کو باپ دادا کے دین کی خلاف ورزی کا باعث دیا اور آپ کی مخالفت میں بیٹے چچا ایلوہب سے لے کر تمام عزیز و اقارب نے بھر پور حیلہ لیا۔ مکہ میں اس دعوت کے گرد اہتاج جو لوگ جمع ہوئے ان میں سے کسی کو اپنے ماں باپ کی ناراضگی برداشت کرنی پڑی، تو کسی کو بیٹوں کی لیکن پھر بھی ان کے پائے استقامت لرزہ بر اندام نہیں ہوئے۔ کیوں کہ ان اولوالعزم اصحاب کو سمجھنی تھی کہ یہ رشتہ دار یاں اور قرابتیں تو محض اس دنیائی چند روزہ زندگی کے سہمی ہیں، جب کہ دعوت حق کا ساتھ تو دونوں جہان کی کام پائی کا باعث ہوتا ہے۔ ہمارا موقف بھی یہی ہونا چاہئے کہ ہم باپ دادا کی غلطیوں کو غلط سمجھیں اور ان کی اندھی تقلید سے باز آجائیں۔

حالیہ دنوں میں پیچیدگی انہی اس بحث سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی خاص خطہ زمین میں پیدا ہونے والی قومیں اور نسلوں کے درمیان کیا نسبتیں ہوں گی؟ اس علاقہ سے متعلق ہر شخصیت کو اپنا تہذیب و ممانتا کیا ہمارے لئے لازمی ہوگا۔ یا اس خطہ میں مشہور ہر یادہ گونی کو پورہ جوں کی حیوانیت (اسلاف کے طرز زندگی) کے نام پر ہم قبول کرتے چلے جائیں گے۔ معمولی سی عقل رکھنے والی آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ایک ایک غیر فطری فخر ہے جو ہم پر چھوٹی جا رہی ہے۔

انسان دنیا کے مختلف علاقوں میں مشیت الہی کے تحت آباد ہوتے اور انہوں نے مختلف بود و باش، زبان اور بیان اختیار کیے کسی خاص علاقہ میں کھان پان اور لباس و ہاں کے حالات، موسم اور علاقائی تقاضوں کی بنیاد پر ہی اختیار کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف خطہ زمین میں بسنے والے لوگوں کی طرز زندگی مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح حالات اور ماحول انسان کے مزاج اور نفسیات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ علاقہ جہاں بنیادی ضروریات زندگی آسانی سے مہیا نہیں ہیں وہاں کے لوگ زیادہ جنگناش ہوتے ہیں۔ ہر علاقہ کے مخصوص مزاج اور نفسیات، کھان پان اور لباس اس کا بنیادی تعارف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر علاقہ میں الگ الگ خوبیاں اور فغانیاں پائی جاتی ہیں۔ ہمارا یہ طریقہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے علاقہ کی خوبیاں اور فغانیاں میں فرق نہ کریں۔ یہی معاملہ ایک ہی علاقہ میں پائے جانے والے مختلف فائدہ انوں اور فقیوں کا ہوتا ہے۔ اپنے علاقہ اور فائدہ ان کی مخصوص چیزوں سے محبت تو فطری امر ہے لیکن اس بنیاد پر دوسروں کو کمتر سمجھنا مناسب نہیں۔ اسی اصول کو فاطمہ زہراؑ نے بیان کیا ہے کہ: "لوگو! ہم نے تو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادر یاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پیچھا لو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔" (الحجرات)۔ یعنی ہمارے علاقہ میں پائی جانے والی تہذیب و روایت کو ہم اختیار کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اللہ سے بغاوت کی بنیاد پر قائم نہ کی گئی ہو۔ ہمارے اسلاف میں سے جو اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنا باہد ہمارا تہذیب و ہے۔ ہمارا تہذیب اسلام سے ماخوذ ہے۔ اور یہ ہمارا پورا اختیار ہے کہ ہم اپنی اسلاف کی شناخت کے ساتھ اس ملک میں ہر گھرا کر زندگی گزاریں۔

(معاذ احمد جاوید)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رسول اللہ سے تعلق کے عملی تقاضے

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَا أُولَئِكَ إِنَّكُمْ عَنْ يَدَيْهِمْ أَلْفَ عَشْرٍ وَاللَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الأعراف: ١٥٤)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمی ہے جسے وہ اپنے پاس تورات میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ رسول ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان پر حلال اور گندمی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتا ہے جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے، اس کی عترت کی، اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

زمانہ نزول:

سورہ الأعراف مکی ہے۔ اس سورہ میں رسالت کے مسئلہ پر تاریخی شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔

مرکزی مضمون:

رسالت پر ایمان لانے کی دعوت اور انداز کا بیولو غالب ہے۔

پچھلی آیتوں کی مختصر وضاحت:

پچھلی آیتوں میں بنی اسرائیل کی سرکشی کی کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی رحمت صرف انہیں لوگوں کا حصہ ہے جو رسول کی مخلصانہ پیروی کریں۔ پیروی کا محض دعویٰ کرنے سے کوئی شخص یا گروہ اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں ہوگا۔ بنی اسرائیل اس کی زندہ مثال ہیں اور آج بھی اللہ کے دامن رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں بشرطیکہ محمد پر ایمان لاکر اتباع کریں۔

الَّذِينَ..... الْأُمِّيَّ
اس آیت میں الذین سے مراد اہل کتاب لکھے ہیں کہ:

”یہاں آنحضرت سے متعلق تورات و انجیل کی بنیادیں گویوں کا حوالہ ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب بنی اسماعیل کے اندر ایک صاحب رسالت نبی سے پہلے ہی واقعہ تھے اور اس کا چرچا ان کے یہاں برابر قائم رہا ہے۔ تورات کے الفاظ ہیں ”خداوند تیرے لیے تیرے ہی درمیان تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا۔۔۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں موشیح کہتے ہیں، میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں

کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا سنا تو میں ان کا حساب لوں گا۔ (استثناء: ۱۸-۱۹، ۱۵)

یہ بات بنی اسرائیل میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتی کیونکہ یہاں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں نبی مبعوث کرنے کی بات کی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ صرف نبی نہیں ہوگا بلکہ رسول بھی ہوگا اس لیے کہ تورات کے الفاظ میں ہے کہ میری مانند اور میری مانند سے مراد موسیٰ ہیں اور حضرت موسیٰ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ (تدبر القرآن، جلد ۳ ص ۲۷۴)

اس کے علاوہ اہل کتاب کی نسبت میں متعدد نشانیاں رسول اللہ کے متعلق ملتی ہیں جن میں آنے والے نبی کی بشارت اور ان پر ایمان لانے کے لئے اہل کتاب کو حکم دیا گیا تھا۔ ان میں سے متعدد لوگوں نے ایمان لا کر اپنے آپ کو عذاب سے بچالیا جب کہ بہت سے اہل کتاب نے گھمبے اور تکبر میں ایمان لانے سے اس لیے انکار کیا کہ نبی تو ہماری قوم میں نہیں آیا ہم کیوں اس پر ایمان لائیں۔

يَا هُمْرُ هُمْرُ..... الْمُنْكَرُ معروف، معروف کے لفظی معنی ہے جانا بچپانا ہوا۔ منکر: منکر کے لفظی معنی ہے اجنبی جو جانا بچپانا نہ ہو۔

معروف سے وہ وہ ایک کام مراد ہیں جو شریعت اسلام میں جانے بچانے ہوں اور منکر سے وہ برے کام مراد ہیں جو دین و شریعت میں اجنبی ہوں یا جس کی دین میں کوئی حیثیت اور وقعت نہ ہو۔ اس آیت میں نبی کی خصوصیت یہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عنی المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی طرف لانے کا کام کر رہے ہیں۔ جس میں ان کا اپنا

کوئی مفاد نہیں ہے۔ وہ تو صرف اس دن کے عذاب سے لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں جو بہت ہی بہت ناک ہے۔ جس دن کی ناکامی سب سے بڑی ناکامی ہوگی لہذا اس میں فائدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو رسول پر ایمان لائیں اور اس کی اتباع کریں۔

وَيُحِثُّ..... الطَّيِّبَاتِ بہت سی پاکیزہ اور پسندیدہ چیزیں جو بنی اسرائیل پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں، رسول اللہ نے ان کی حرمت کو ختم کر دیا مثلاً حلال جانور کی بڑی وغیرہ۔

وَيُحِثُّ..... الْخَبَائِثِ اس سے مراد بد رویت وغیرہ ہے۔ یہ خاصہ ہے کہ رسول تم کو پاک چیزوں کی طرف بلاتے ہیں اور تم سے گھمبے کو دور کرنا چاہتے ہیں جب کہ تمہارا معاملہ یہ ہے کہ تم جس چیزوں میں رہنا پسند کرتے ہو۔ وَيَضَعُ..... اور یہ رسول ان (اہل کتاب) پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتا ہے۔ پچھلی شریعت میں کچھ سخت چیزیں تھیں مثلاً قتل کے بدلے قتل ضروری تھا، دیت یعنی معافی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ پھر سے پرنس (گھمبے) لگ جائے تو اس کو کاٹ دینا ضروری تھا وغیرہ۔ رسول کی آمد سے ان میں آسانیاں پیدا کر دی گئیں اور جن توہمات، بدعات اور سختی میں ملوث تھے اس سلسلے میں ان کے لیے آسان احکام آئے لیکن پھر بھی ان کی بڑی تعداد دین اسلام کی دشمن بنی رہی۔

فَالَّذِينَ..... الْمُنْجِلُونَ آیت کے اس ٹکڑے میں کامیابی کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ایمان: عمل کے لیے بنیادی شرط ایمان ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو کوئی عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا۔

(۲) رسول کی اتباع: ہر معاملہ میں رسول کی اتباع کی جائے اور ان کی مدد کی جائے۔ اس وقت ہمارے درمیان اللہ کے نبی موجود نہیں لہذا مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی مدد کی جائے، ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو دنیا والوں تک پہنچایا جائے دوسرے لفظوں میں اگر کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اقامت دین کا فریضہ انجام دیا جائے اور دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ دین کی مدد کی جائے۔

(۳) رسول کی تعظیم: رسول کی دل و جان سے تعظیم و تکریم کی جائے، ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہئے اور ان کی باتوں کو باہر زد قبول کیا جائے۔

(۴) قرآن کی اتباع: سماجی، سیاسی اور معاشی معاملات قرآن کے مطابق حل کیے جائیں چاہے بظاہر اس کا نقصان ہو یا فائدہ اور اس کی آیات کی روشنی میں زندگی گزارنی چاہئے۔ ان تمام صفات کو اپنانے والے ہی اہل میں کامیاب ہیں اس آیت کی تفسیر میں صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ: ”اس آیت کے شروع میں یبعون الرسول النبی الامی (وہ پروردی کرتے ہیں نبی امی کی) اور آخر میں ”و اتبعوا النور الذی انزل معہ“ ان میں سے پہلے میں سے نبی آنے کے اتباع کا حکم ہے اور آخری جملہ میں قرآن کے اتباع کا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نجات کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں کے اتباع پر موقوف ہے۔“ (معارف القرآن، جلد ۴ ص ۸۷) ●●●

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَ أَكْتَبَعًا لِمَا جُمْتُ بِهِ.
(بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائے۔“

اسلام کے بنیادی عقائد میں توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ ”رسالت“ ہے۔ رسالت پر ایمان کے بغیر کوئی شخص توحید اور آخرت کے بھی تصورات کو واضح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ دنیا کے تمام مفکرین اور دانشوران مل کر عقل دوڑائیں اور کائنات کے فلسفے نیز ابتداء و انتہاء سے متعلق کوئی نظریہ قائم کریں تو وہ درست نہ ہوگا کیونکہ اگرچہ ان کے پاس عقل ہے جس سے غور و فکر کریں مگر جس نتیجے پر بھی وہ پہنچیں گے اس کی بنیاد ٹن و خمین پر ہی ہوگی کیونکہ علم یقین حاصل کرنے کا کوئی ایسا ذریعہ ان کے پاس نہیں ہے جو حقیقت کے بارے میں رہنمائی کرے۔

تو وہ اگر ایک پہلو پر درست راستے قائم بھی کر لیتے ہیں تو دوسرے پہلو پر ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اندھیرے کمرے میں کوئی چیز تلاش کرنے والے اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس صحیح سالم آنکھیں تو ہیں مگر کوئی چراغ نہیں ہے جس کی روشنی میں وہ مطلوبہ چیز کو پاسکے، چنانچہ وہ اندھیرے میں ہاتھ ٹھونٹا اور جھکتا رہتا ہے لہذا یہی وہ کمزوری تھی جس کو دور کرنے اور جس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کیا اور اس کا مقصد یہ متعین کیا کہ جھٹکے ہوئے، ناواقف راہ، انسانوں کی وحی الہی کی روشنی میں صحیح راستے کی طرف رہنمائی کریں، چنانچہ ارشاد ہے:

”إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا“ (یونس: ۳۶)
”اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔“
یہی وجہ ہے کہ دنیا کے قدیم و جدید کے جتنے بھی مفکرین اور دانشوران گزرے ہیں اور انھوں نے نور نبوت و رسالت سے بے نیاز ہو کر غور و فکر کیا

”فأهتونا بالله ورسوله النبي الأضيء الذي يؤمن بالله وكلماته وآتبعوه لعلكم تهتدون“ (الأعراف: ۱۵۸)
”پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی نبی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم راہ پاؤ۔“
”يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَاصْنُوا خَيْرًا لَّكُمْ“ (النساء: ۱۷۰)

”اے لگو! تمہارے پاس رسول آچکا تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک بات لے کر پس مان لو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔“

یہ ایمان لانا اس یقین کے ساتھ مطلوب ہے کہ رسول صادق اور امین ہوتا ہے، وہ اللہ کا خالص پیغام پہنچاتا ہے، وہ انسانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ، کذب و افتراء سے پاک اور اللہ کا بندہ ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ وہ مامورِ کن اللہ ہوتا ہے۔ اپنے اختیار سے کوئی بات نہیں کہتا نہ ہی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، وہ تو بس وحی الہی کا پابند ہوتا ہے۔

”وَمَا يَنْظُرُ عَنِ الْهَيْوَةِ اِنَّ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحَىٰ“ (النجم: ۲-۳)

”تمہارا رفیق نہ گمراہ ہو ہے اور نہ بھوکا ہے اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے۔“

اس کی حیثیت مطاع و متبع کی ہوتی ہے جس کو تسلیم کیے بغیر محض رسالت کا اقرار کوئی معنی نہیں رکھتا، لہذا نبی اور رسول وحی الہی کی روشنی کو لے کر جس طرف رہنمائی کریں طالب حق کو چاہیے کہ وہ ان کو اپنا رہنما تسلیم کرے اور اس کے پیچھے پیچھے چلے اور وہ صحیح معنوں میں طالب حق نہ ہوگا۔

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ“ (النساء: ۶۴)

”اور ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ کے حکم سے اس کی تابعداری کی جائے۔“

یہ اطاعت و پیروی اس قدر مکمل ہو کہ جذبات و خیالات اور غور و فکر کا انداز بھی وہی ہو جو رسول کی لائی ہوئی شریعت چاہتی ہے۔ جب شریعت کے مزاج سے سوچنے سمجھنے کا انداز میل کھاسے گا یعنی

اطاعت و پیروی کا اعتبار ہوگا۔ رسول اللہ نے فرمایا: ”لَا يُؤْمِنُ اِذَا خَذَ كَيْفَ يَكُونُ هُوَ اَقْتَبَعًا لِمَا جَفَّتْ يَدُ“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائے۔“

اطاعت و پیروی کا اعتبار اس وقت تک بھی نہیں ہوگا جب تک یہ اطاعت و پیروی خود شریعت کے ساتھ نہ ہو، اگر یہ خود شریعت و رضامندی اطاعت و پیروی سے جدا ہو جائے تو ایمان کی بھی خیر نہیں رہتی، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

”فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَخْضَعُوا لَكَ فِيْمَا سَخَّرَ بَيْنَهُمْ فَمَنْ لَا يَخْضَعُ لَكَ فِي اَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ حَرْجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلَمُوْا تَسْلِيْمًا“ (النساء: ۶۵)

”سو تیرے رب کی قسم ہے، یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں۔“

ایمان بالرسالت کے اہم باب میں سے رسول سے والہانہ محبت و الفت بھی ہے۔ یہ محبت و الفت اس انتہا کو پہنچی ہوئی ہو کہ رسول کی ذات اور اس کی شخصیت ہی ایمان والوں کے لیے سب کچھ ہو بلکہ زندگی کا حاصل ہو۔ رسول سے محبت اس کے علاوہ تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہوتی ہیں۔ جا کر ایمان کی تکمیل ہوگی، چنانچہ رسول اللہ کا فرمان ہے:

”لَا يُؤْمِنُ اِذَا خَذَ كَيْفَ يَكُونُ حَتَّىٰ اَسْكُنَ اَحْبَبَ

اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ“ (النساء)

”تم میں سے کوئی مکمل ایمان والا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے عزیز نہ ہو جاؤں۔“

فدا کاری و جا ثاری کا ایسی وہ مطالبہ تھا جس کو صحابہ کرام نے پورا کیا تھا، جس کے نتیجے میں آسمان و زمین کی برکتیں ان کے لیے اہل بڑیں، زمین کے خزانے ان کے قدموں میں ڈال دیئے گئے اور رحمتی اللہ عنہم و رَحْمَتًا كَا كِبَارِهَا دیا گیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے کہ جب حضور کو یہ اطلاع ملی کہ ابو سفیان کا پالنے والی نقری قافلہ جدید اٹھ اور فدائی رسد لیے ہوئے ملک شام سے مکہ کے لیے چل پڑا ہے تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا تو سعد بن عبادہ اٹھے اور کہا:

”يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَخِيضَهَا الْبَحْرَ لَأَخْضَعْنَاَهَا، وَ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا لِي بَرَكِ الْعِمَادِ لَفَعَلْنَا“ (مسلم)

”اے اللہ کے رسول آپ ہمیں سمندر میں اپنے گھوڑوں کو ڈالنے کا حکم دیں تو ہم بلا پس و پیش سمندر میں اپنے گھوڑوں کے ساتھ گھس پڑیں گے اور اگر ہمیں حکم دیں کہ برک العمامد تک گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ اور دشمن سے لڑو تو ہم اسے بھی گزر کریں گے۔“

اسی مجلس میں جب آپ سفیان کے قافلے کو روکنے کے لیے مشورہ کر رہے تھے کہ اچانک یہ خبر (بقیہ صفحہ ۷ پر)

حجۃ الوداع کا پیغام

محمد فارسی نوشاد فلاحی

خطبہ حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ:

۹/۱۰ الحجہ ۱۰ ہجری بمطابق ۷ مارچ ۶۳۲ء کو نبی سرور عالم خاتم النبیینؐ نے ڈیڑھ لاکھ فرزند ان توحید کے عظیم الشان مجمع میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ کو حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام و حجۃ الاتمام بھی کہتے ہیں لیکن زیادہ مشہور نام حجۃ الوداع ہے۔

وداع، واو کے زبر کے ساتھ اس کے معنی آتے ہیں رخصت کرنا، اور حجۃ الوداع اس حج کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے حج کی فرضیت نازل ہونے کے بعد ۱۰ ہجری میں ادا کیا۔ اس حج کا یہ نام اس لیے پڑا کہ نبی ﷺ نے اس حج میں احکام شریعت کی تعلیم دی، صحابہ کرامؓ کو رخصت کیا اور اس دنیا سے اپنے رخصت ہونے کی خبر انہیں دی۔

حجۃ البلاغ اس لیے کہ یہ خطبہ ابلاغ و تبلیغ کا کمال ہے نیز خطبہ مبارک کے دوران بار بار الاہل بلغت فرما رہے تھے، اور اس کے جواب میں حاضرین و مخالفین کا جواب یہ ہوتا تھا کہ حجۃ الوداع اور حجۃ الاتمام کا کیا فرق ہے؟

نے فرض رسالت ادا فرمادیا اور پیغام حق تمام مکالم پہنچا دیا۔

حجۃ الاسلام اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ یعنی پچھڑتا تھا۔

حجۃ الکمال و اتمام اس لیے کہ آپ ﷺ کا مقصد سن اسی مرحلہ پر اتمام و کمال کو پہنچا اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ اس مبارک موقع پر نازل ہوئی۔

حجۃ الوداع کا پس منظر:

متعدد کتب سیرت میں حجۃ الوداع کا پس منظر اور اس کی پہنچائی تیاری کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ صحیح مسلم میں نبی ﷺ کی روانگی کا وقت اور دن کی تعیین کی گئی ہے۔ ہم یہاں مختصر آس پس منظر کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ۹ ہجری میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اور اس سال نبی ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ اس سال لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی امامت میں حج ادا کیا۔ ماہ ذی قعدہ میں نبی نے اپنے اطراف و اکناف میں یہ اعلان کر دیا

تھا کہ نبی حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ ماہ ذی قعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ نے غسل فرمایا، چادر اور تہبند باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ پلٹنے کا حکم دیا۔ مدینہ کی میقات ذوالخلفہ میں شب بھر اقامت فرمائی اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہؓ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے جسم مبارک پر عطر ملا، اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قضا پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے ”لبیک اللہم لبیک“ حضرت جابرؓ اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے مجھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کر سکتی آدمیوں کا جنگل نظر آتا، نبی جب لبیک فرماتے تو ہر طرف اسی صدائے غلغلہ انگیزی کی آواز بازگشت آتی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے۔

اس کے بعد نبی نے لوگوں کو مناکا حج اور حج کا طریقہ بتایا اور عرفہ کے دن جبل الرحمت کے پاس مسلمانوں کے عظیم الشان مجمعے میں وہ عظیم خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں شیعہ رسالت کے

پروانے اپنے محبوب کی آواز سننے کے لیے سراپا
 ناموش تھے۔ آپ نے اس دن وہ جامع اور بے
 مثالی خطبہ ارشاد فرمایا جس کی تمام انسانوں کو
 ضرورت تھی۔ خطبہ کا پہلا فقرہ یہ تھا جو بڑا درد انگیز
 ہے، جس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ تاجدارِ مدینہ
 سرور عالم اب پوری دنیا سے رخصت ہونے
 والے ہیں۔ لوگو! میری بات سن لو کیونکہ میں نہیں
 جانتا کہ اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے
 کبھی مل سکوں۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت:

خطبہ حجۃ الوداع کو اسلام میں بڑی اہمیت
 حاصل ہے۔ بلاشبہ یہ خطبہ حقوق انسانی کا پہلا عالمی
 منشور ہے جس کے ذریعہ نئی نئی پوری انسانیت
 کو مخاطب کیا۔ جس میں تمام بنی نوع انسان کے
 لیے ہدایت اور فلاح کا سامان موجود ہے۔
 ڈاکٹر طاہری القادری اس خطبے کی اہمیت ان
 الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”آپ کی پوری زندگی انسانیت نوازی اور
 تکویم انسانیت کی تعلیمات سے عبارت ہے،
 تاہم آپ کی حیات مبارکہ میں انسانی حقوق کے
 تحفظ اور عملی نفاذ کے حوالے سے یہ خطبہ کلیدی
 حیثیت رکھتا ہے۔“

رومانیہ کا مشہور غیر مسلم ادیب یرت ناگ کوکوش
 وڈیریل نبی کے اس خطبے کے بارے میں
 اپنے تناثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

”جب ہم یہ خطبہ پڑھتے ہیں تو باوجود یہ کہ ہم
 یورپی ہیں اور پیغمبر اسلام کی آواز ہم نے نہیں
 سنی اور نہ ہم اس مقام پر اس مجمع میں موجود تھے
 پھر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے کہ تو

ان لوگوں کا کیا کہنا جو اس روز جبل الرحمۃ میں
 حضرت محمد کی آواز سن رہے تھے اور آپ کی
 فرزاؤ کو دیکھ رہے تھے۔“
 نامور مصنف اکیٹو اس خطبے کی اہمیت بیان
 کرتا ہے:

”آسمان نے روزِ وشب کی ہزار کروٹیں
 بدلیں لیکن احترام انسانیت کے لیے اس سے
 زیادہ پُر درد اور پُر غلوس آواز نہیں سنی۔“

حجۃ الوداع کا پیغام اور اس کی عصری معنویت:

نبی کی پوری زندگی مشکلوں اور پریشانیوں
 سے بھری پڑی ہے۔ ذرا اس سماج اور معاشرے
 کا تصور کریں جہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی،
 کفر و شرک کا یوں بلا تھا، خدا کو لوگ بھول بیٹھے
 تھے، انسانی حقوق اور جان و مال کی کوئی قدر و
 قیمت نہیں تھی، یہ معاشرہ بالکل وحشی ہو چکا تھا
 ایسے میں اللہ تعالیٰ کو اپنے بچوے ہوئے بندوں
 پر رحم آیا اور اس نے انہیں میں سے ایک رسول
 مبعوث کیا جس نے انہیں اللہ کے بارے میں
 بتایا، اس کے حقوق یاد دلائے، بندوں کے حقوق
 کو بتایا، عرض اس نبی آئی نے اس ظلمت کے
 گھنا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کے نور کو منور
 کر دیا جس سے ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔

ان کے اطلاق کو بدل ڈالا، معیار و رحمان بدل
 گئے، سوچنے سمجھنے کے زاویے بدل گئے اور
 زندگی کے آخری لمحے میں تمام انسانوں کے لیے
 وہ ارشادات بیان فرمائے جس کی انہیں ضرورت
 تھی اور انسانیت جس کے لیے تڑپ رہی تھی۔ نبی
 کے اس عظیم الشان عالمی منشور کا جس پہلو سے بھی

مطالعہ کیا جائے وہ اپنے آپ میں ایک بے نظیر
 مثال رکھتا ہے فصاحت و بلاغت کا عالی نمونہ ہے،
 قانونی اور معاشرتی پہلو سے نہایت مفید ہے۔
 سیاسی اور معاشرتی پہلو سے بھی نہایت عمدہ ہے جس
 میں انسانیت کی فلاح اور بہبود ہے۔ عصر حاضر

میں جب دنیا و اوس دنیا کے رہنے والے بھول چکیوں
 میں پھنس گئے ہیں، ہر شخص کو اپنے مفاد اور
 دھندے کی فکر لگی ہے، ہر چہاں جان و ملک و عدوان،
 ناانسانی و بے ایمانی عام ہوتی جا رہی ہے۔

انسانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا پاس و لحاظ
 نہیں، مادیت کی طرف انسان بکشت دوڑ رہا ہو
 اور واقعہ یہ ہے کہ انسان انسان کو کھانے جا رہا ہو،
 طاقت و کمزور پر ظلم ڈھار رہا ہو، مظلوم کی آواز کو
 سننے والا کوئی نہ ہو، ظالم دنیا تانا پھرا رہا ہو، عالمی
 قوانین کی کوئی اہمیت نہیں، ہر روز اس کا جنازہ
 اٹھتا ہے، حقوق نسواں پر قانون بنانے والے
 بے بس، لاجار، مجبور ہیں۔ جہاں پورے عالم میں
 امن و مسکن، صلح و آشتی، انصاف، محبت و شفقت
 رخصت ہو چکا ہو ایسے میں یہ خطبہ انسانیت کے
 لیے عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے اور بلاشبہ ہم
 بغیر خوف و تردد کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطبہ تمام
 حقوق کے نام نہاد منشور اور دتاویزوں پر
 فوقیت رکھتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے انسانیت
 کی فلاح و کامیابی کا راز پہنچا ہے، ترقی و کامرانی کی
 منزل انسانیت اسی سے مل سکتی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات:

دفعہ (۱): جان و مال کی حرمت اور عورت و آبرو
 کے تحفظ کا حق:

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ

حَرَامٌ عَلَيْكُمْ مَحْزَمَةٌ يَوْمَكُمْ هَذَا فِي بِلْدَانِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا وَتَسْتَلْقُونَ رِزْقَكُمْ، فَمَسِيئًا لَكُمْ عَنِ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا فَلَا تَزْجِفُوا بَعْدِي ضَلَالًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (مسلم)

”لوگو! تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! عنقریب تمہیں اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا خبردار! میرے بعد لگے رہیں کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔“

خود کریں یہ تاریخی اعلان سرور عالمؐ کی زبان اقدس سے جاری ہو رہا ہے۔ نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کے عظیم الشان مجمعے میں، سبحان اللہ کی عظیم بات ارشاد فرمائی کہ تمہاری جان و مال ایک دوسرے پر حرام ہے اس شہر کی حرمت کی طرح، جیسا کہ تم اس مہینے کو محترم سمجھتے ہو۔ آپؐ کا محض یہ اعلان نہیں تھا بلکہ عالمی مشہور تھا جس میں انسانی عزت و آبرو، جان و مال کے تحفظ کا حق فراہم کیا گیا، ذرا اسلام کی آمد سے قبل عرب کی اس بگڑی ہوئی سوسائٹی کا اندازہ لگائیں جہاں عورت و آبرو، انسانی شرف و تعظیم، جان و مال کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں تھی، لوگ کسی قانون و ضابطے کے پابند نہیں تھے، طاقتور کمزور پر چوہہ دوڑتا، جب چاہتا اس کے مال کو ہڑپ کر جاتا، ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے اموال و موبیلیوں کو لوٹنے کے لیے ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ اس دفعہ پر بڑی قیمتی نوٹ تحریر کرتے ہیں:

”عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا اور جس کا مال چاہتا چھین لیتا۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح و آئینی کا پیغام بناتا ہے۔“

اس حدیث کے آخری جملے پر غور کریں جس میں آپؐ نے ناص ہدایت امت مسلمہ کو یہ فرمائی: دیکھو باہم جنگ و جدال اور فائدہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا، اگر ایسا ہوا تو انتہائی گمراہی کی بات ہوگی، چونکہ نبی اکرمؐ کو امت کو پیش آنے والے واقعات و احوال کا بخوبی اندازہ تھا کیونکہ آپؐ اللہ کے پیغمبر تھے، آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی اور مستقبل میں رونما ہونے والے حالات اور واقعات آپؐ کو بتا دیے گئے تھے کہ کہیں لوگ مال و دولت کے چکر میں لیک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگیں۔ معارف الہیہ میں مولانا منظور نعمانیؒ نے خلا لاکے بعد بخاراً کا لفظ نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باہم جنگ و جدال، فائدہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویے ہے۔ اگر امت اس میں مبتلا ہوگی تو اس نے اسلام کے رویے کے بجائے کافرانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔

دفعہ (۲): دور جاہلیت کی رسم انتقام کا خاتمہ:

”أَلَا كُنْ لَسِيءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَبَخْتُ قَدَمَيْ مَوْضُوعٍ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ ذِمٍّ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا ذِمَّ ابْنِ زَيْبَعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَضْرِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَفَقَلْتَنَاهُ“

ہذیل“ (مسلم)

”لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں، جاہلیت کے قتل کے تمام جھگڑے ملایمیت کرتا ہوں، پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن زبیر بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پینا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا۔“

زمانہ جاہلیت میں انتقام در انتقام کی رسمیں رائج تھی۔ عربوں کے اندر قبائلی تعصب اور لٹی تفرخ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں اور پھر لڑائی کا نہ ختم ہونے والا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا۔ ایک شخص کے قتل کیے جانے پر پورا قبیلہ مرد و خواتین پر مشتمل اپنے لائیکرز کے ساتھ مقتول کے انتقام کے لیے جنگ میں کود پڑتا۔ عرب اپنے بیچوں کی پرورش ایسے ہی پرورش پر کرتے، انھیں بیچن ہی میں مشغول مزاج بناتے، جوش اور ولولہ ان کے دل و دماغ میں پیدا کرتے۔ ان کی قبائلی حمیت اور غیرت کو لکارتے تاکہ یہ بھی بڑے ہو کر انہی کے نقش قدم پر چلیں اور مقتول کا انتقام لیں، یہ لڑائیاں اس وقت تک جاری رہتیں جب تک مقتول کا انتقام نہ لے لیا جاتا۔ سیرت نگاروں اور مؤرخین نے ان جنگوں کو ایام العرب کے نام سے موسوم کیا۔ آپؐ نے اس دفعہ میں جاہلیت کے رسم انتقام کا خاتمہ کر کے انسانیت کو امن و سکون، سلامتی و عافیت کا پیغام دیا۔

چنانچہ علامہ شبلی رقم طراز ہیں:

”آج پہلا دن تھا (حجۃ الوداع) اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت

کے تمام بے ہودہ مراسم کو مناد یا عجمیا۔“

دفعہ (۳): سود کا نام

”وَرَبَا النِّجَالِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رَبَا أَضْعُجٌ رَبَانًا رَبَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كَلَّةٌ“ (مسلم/ابو داؤد)

”اور زمانہ جاہلیت کا سود ملیا میٹ کر دیا گیا ہے، پہلا سود جو میرے خاندان کا ہے جو میں منانا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، وہ سب کا سب چھوڑ دیا گیا ہے۔“

سود کی ظالمانہ قرارداد کو سمجھنے سے قبل زمانہ جاہلیت میں مروج سود کی نوعیت کو سمجھنا ہوگا۔ دور جاہلیت میں سود کو بڑی اہمیت حاصل تھی جس میں امیر امیر تزار و غریب بیچارہ علم اور معاشی اطمینان کی چنگی میں پھنسا رہتا۔ ڈاکٹر طاہر القادری زمانہ جاہلیت میں سود کی نوعیت بیان کرتے ہیں کہ:

”زمانہ جاہلیت میں سود کی نوعیت یہ ہوتی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کے لیے روپیہ قرض دیتا لیکن جب وہ میعاد گزر جاتی تو قرض خواہ مقررہ کی عدم ادائیگی پر اس وقت تمام سود اصل میں شامل کر کے اصل کو بڑھا دیتا جب تک قرض دار ایک بارگی گل رو پیہ ادا نہ کر دیتا، ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود پر سود بڑھتا رہتا۔“

سود کے نام کے آواز نبی کریمؐ نے اپنے گھر سے کیا، جس میں عباس بن عبدالمطلب کے سودی معاملات کو کا لعمد قرارداد یا جس سے ایسے ظالمانہ اور اطمینان نفاہی جو کٹ جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے آپ نے اس سلسلے کو ختم کر دیا۔ چنانچہ علامہ مٹھی اپنی کتاب حیرت الہی میں لکھتے ہیں:

”تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک باج پھیلا ہوا تھا جس سے غریب اور بیکار بیکار رہتا تھا اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جاں مال تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس قرض کی تکمیل کے لیے بھی معطل حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔“

دفعہ (۴): نسلی و قبائلی اور سانی تافخر کے خاتمہ کا اعلان:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ آبَاءَكُمْ وَاحِدٌ، كُنْتُمْ لَأَدَمَ وَأَدَمٌ مِنْ نُوْبِ آلِ آدَمَ، فَفَضَّلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَيَّ عَجْمِيٍّ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَيَّ أَحْمَرَ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَيَّ أَسْوَدَ، إِلَّا بِالْتَفْوِیِّ“ (مسند احمد)

”لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ سن لو! کبھی عربی کو کبھی عجمی پر کوئی برتری نہیں اور کسی کالے کو کبھی گورے پر فضیلت حاصل نہیں مگر ہاں تقویٰ کے سوا (تم میں سب سے زیادہ بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہو)۔“

دور جاہلیت میں چونکہ عرب رنگ و نسل، زبان و بیان کے تفاخر میں مبتلا تھے، عرب غیر عرب کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے، انہیں عجمی کہتے تھے، قریشی غیر قریشی کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے۔ تہذیب الوداع کے اس مبارک موقع پر نبی اکرمؐ نے اس تفاخر کو توڑ کر سب کو برابر کھڑا کر دیا اور عالمی مساوات انسانی کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرمؐ نے حضرت

بلالؓ کو حکم دیا کہ بلال بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ جب حضرت بلالؓ چڑھ کر اذان دینے لگے تو ایک طوفان مچ گیا کیونکہ بلالؓ تو کالے تھے اور ان کا تعلق عشی النسل سے تھا، وہ عربی نہیں تھے لیکن نبیؐ کے اعلان کے بعد کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ کچھ کہہ سکے۔ نبیؐ نے اس تفاخر کو مناد یا لیکن افسوس نبیؐ نے عربوں کے اندر سے جس تفاخر کا خاتمہ کیا تھا آج اس کا سلسلہ اسی رفتار سے جاری ہے۔ رنگ و نسل، طبقات و قبائل کا تفاخر آج بھی عالمی سطح پر نظر آتا ہے۔ مغربی دانشور ارٹھڈ ٹوائس۔ بی۔ جی اکرمؓ کے اس اہم کارنامے کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے:

”محمدؐ نے اسلام کے ذریعہ انسانوں سے رنگ و نسل اور طبقاتی امتیاز کا بیکر خاتمہ کر دیا کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو محمدؐ کے مذہب کو نصیب ہوئی۔ آج کی دنیا جس ضرورت کے لیے توپ رہی ہے اسے صرف مساوات محمدیؐ کے ذریعہ ہی پورا کیا جاسکتا ہے۔“

دفعہ (۵): عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور ان کے حقوق کا تحفظ:

”فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ وَأَسْتَحْلَلْتُمْنَ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُؤْطِقْنَ فُرُوجَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاصْرَبُوا لَهُنَّ صِرَابًا غَيْرَ مَبْرُوحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ (مسلم)

”لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو

اپنی بیوی بنایا ہے اور اللہ کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے دست پر کسی غیر کو (کہ اس کا آقا تم کو ناگوار ہے) نہ آنے دے لیکن اگر وہ ایسا کرے تو ان کو ایسی مامرا رو جو نمودار نہ ہو جو عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کو ایسی طرح حلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ۔“

اسلام کی آمد سے قبل عورتوں کے سماجی، معاشرتی و معاشی مقام مرتبے کا تصور محال تھا۔ عہد جاہلیت میں عورت محض مردوں کے جذبات و خواہشات کی تسکین و تکمیل کا سامان سمجھی جاتی تھی، گویا زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک قسم کی مخلوق تھی جن کا مصرف صرف ترقی کسل اور مردوں کی خدمت کرنا تھا۔ جاہلی معاشرے میں لڑکی کی پیدائش باعث عار سمجھی جاتی تھی، بنت حوا کی پیدائش کو بد نصیبی خیال کیا جاتا اور اکثر اسے زندہ دفن کر دیا جاتا۔ قرآن مجید بھی عہد جاہلیت کے اس فحش رسم کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

”اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا، اسی بری خبر سے چھپتا پھرتا، آیا اس مولود ذلت کی حالت میں لیے رہے یا اسے مٹی میں زندہ دگر کر دے۔“ (النحل: ۵۸)

لیکن آج وہ دن تھا جس میں نبیؐ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تائید فرمائی، عورتوں پر جاہلیت میں ہونے والے مظالم کا خاتمہ کر دیا اور اسے حقوق اور انسانی شرف کی وہ ضمانتیں فراہم کیں جو اسلام میں موجود ہیں۔ علامہ ابن اسعد حدیث

کو نقل کرنے کے بعد بڑا قیمتی نوٹ لکھتے ہیں:

”آج تک عورتیں ایک جاہلاد مفقود تھیں جو قمار بازیوں میں داؤ پر چڑھائی جاتیں۔ آج یہ پلاد ہے کہ گروہ مظلوم یہ صفت لطیف، یہ جو ہر نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے۔“

دفعہ (۶): غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق:

”اَزْ قَاءِ كُمْ اَزْ قَاءِ كُمْ اَزْ قَاءِ كُمْ اَطْعَمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَسْكِنُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ فَاِنْ اُءْوَا بِذَنْبٍ لَّا تُؤْرِثُوْنَ اِنْ تَغْفِرُوْا وَهِيَ غَيْرُ اَعْبَادِ اللّٰهِ وَلَا تُعَدُّوْهُمْ“ (مسند احمد)

”لوگو! اپنے غلاموں کا خیال رکھو، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، جو تم بھاتے ہو وہی انھیں حلاؤ اور جو تم پینتے ہو انھیں بھی وہی پہناؤ، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جسے تم معاف نہ کر سکو تو اللہ کے بندو انھیں بیچ دو لیکن انھیں سزا نہ دو۔“

دنیا میں غلامی کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب انسان نابالغ تھا، شعور زندگی اور مقصد زندگی سے ناواقف تھا، وہ اپنے رب کو جانتا تھا اور پہچانتا نہیں تھا، اسے آدمیت اور انسانی حقوق سے کوئی سروکار نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ غلامی کی تاریخ میں جنگوں کا مرکزی کردار ہے۔ نبیؐ کی آمد سے قبل دنیا کے ہر خطے میں غلامی رائج تھی، بازاروں میں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی، بڑی بڑی منڈیاں سمیٹیں، جو شخص اس کا مالک ہوتا وہ انھیں انسان نہیں سمجھتا، ان کے ساتھ آقا جانوروں جیسا سلوک کرتا۔ ڈاکٹر طاہر القادری غلاموں پر ہونے والے مظالم کی داستان ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی، آقا ان کی جان و مال کا مالک ہوتا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا بھی نہیں تھی، ان سے ہر طرح کے پُر مشقت کام لیے جاتے اور ادنیٰ سی لغزش اور سرتابی کی بڑی سخت سزا دی جاتی، تقریباً پوری دنیا میں غلامی کا یہی حال تھا۔“

حجۃ الوداع کے مبارک موقع پر نبیؐ نے سوسائٹی کے سب سے مظلوم و کمزور طبقے کو اس کے حقوق فراہم کیے۔ آپؐ نے اس موقع پر اعلان کر دیا کہ جو آقا ہیں وہ ان کا خیال رکھیں وہ بھی تو انسان ہیں، انھیں بھی اسی نعمت کو کھانے کا حق ہے جو تم بھاتے ہو۔ غرض آپؐ نے آقا و غلام کے امتیاز کو مٹا کر ایک عالمی بے مثال انسانی مساوات قائم کر دی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محدود و یاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
دفعہ (۷): قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین:

”قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اِعْتَصَمْتُمْ بِهٖ، فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا: كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهٖ“ (الحاکم/بیہقی)

”اے لوگو! یقیناً میں تمہارے درمیان ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تمہارے رکھو گے تو جیسا کہ تمہیں ہو گے یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔“

نبیؐ نے یہ یقین دہانی اپنے بعد آنے والی تمام نسلوں کو دی ہے تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے ان دونوں سرچشموں سے رہنمائی کسی زمانے

کے ساتھ خالص نہیں ہے۔ رحمت للعالمین کے مصنف کتبہ میں:

”قارئین اس خطبے پر ذرا غور کریں، نبیؐ نے بیوں الوداعی خطبوں میں قرآن پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور کیوں کہ قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کے لیے یہ سچی وعدہ کیا کہ وہ سچی گمراہ نہیں ہوگا“

دفعہ (۸): لا قانونیت کا خاتمہ:

”اِنَّ الزَّمانَ قَدِ اسْتَدْرَكَ حَبِيْبِيْتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ، السَّنَةَ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مِنْتَوَالِيَّاتِ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ، وَرَجَبٌ مُضَرٌّ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَسَعْبَانَ“ (ابو داؤد/بخاری)

ابتداء میں خدا نے جب آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ آج پھر اسی نطقے پر آجیسا ہے، سال کے بارہ مہینے جن میں چار قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے جن کی ذی القعدہ، ذی الحجہ اور عرم اور چوتھا رجب المرجب کا مہینہ جو جمادی الثانی و شعبان کے بیچ میں ہے۔“

دوسرے سیرت کے مصنف نبیؐ کی اس قرارداد پر بڑا قیمتی نوٹ لکھتے ہیں:

”نبیؐ نے یہ تاریخی اعلان فرمادیا کہ زمانہ اب اسی ہیئت پر آجیسا ہے جس پر پہلے تھا۔ دراصل اہل عرب عہد جاہلیت اور آغاز اسلام میں ان مہینوں کے ساتھ گھلواڑ کرتے تھے۔ حضرت مجاہد وغیرہ کے بقول وہ حج و عمرہ کی مخصوص مہینے میں کرتے پھر اگلے دو سال کسی دوسرے مہینے میں آپؐ نے حجۃ الوداع کے مبارک موقع پر یہ

اعلان فرمادیا کہ زمانہ گھوم پھر کر آج دوبارہ اسی نطقے پر آجیسا ہے جس پر ابتدا میں تھا یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر کے اس کے ساتھ گھلواڑ نہ کرو، آج کے بعد حج ہمیشہ ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوگا۔

دفعہ (۹): شیطانِ مکرو فریب سے بچاؤ:

”اَيُّهَا النَّاسُ! فَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَمْسُ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَ بِاَرْضِيْكُمْ هَذِهِ اَبْدًا وَّلَكِنَّهُ اَنْ يَّطَاعَ فَيَمَسَّا يَسُوْى ذَلِكُمْ فَقَدْ رَضِيَ بِهٖ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَاَحْذَرُوْهُ عَلَيَّ دِيْنِكُمْ“ (سنن ابن ماجہ)

”لوگو! شیطان اس بات سے بے شک مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر مجھی اس کی پرستش کی جائے گی، مگر چونکہ تمہارا وہ اس بات پر راضی ہو گا کہ اس (پرستش) کے سوا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے، پس اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اس سے بچتے رہنا“

شیطان تو بالکل مایوس ہو چکا ہے کہ حیرت العرب میں اب بتوں کی پوجا نہیں ہوگی لیکن چھوٹے چھوٹے کاموں میں شیطان اپنی بات ضرور منواتے گا، جسے تم بہت حقیر سمجھتے ہو اور یہ کام کروا کے وہ بہت خوش ہوگا، خبردار! ان جھوٹی بدعات اور خرافات اور شیطانِ ترغیب کی وجہ سے ان سے بچتے رہنا وہ تمہارے عقیدے پر حملہ نہیں کرے گا لیکن تمہیں ایک دوسرے کے خلاف ابھارے گا، جھگڑا لائے گا کہ تم ایک دوسرے کے عقیدے پر حملہ کرو تم اس کے بہکاوے میں ایسا نہ کرنا، یاد رکھو! شیطان شہمت کھا چکا ہے لیکن وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا اس لیے اس سے بچتے رہنا۔

دفعہ (۱۰): اسلام کے فرائض کی تلقین اور ختم نبوت کا اعلان:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَكُمْ عَلَيَّ فَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا حَسْبُكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَاَذُوا زَكَاةَ اَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُكُمْ وَفَحْجُوْا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَاَطِيعُوْا وَاِلَا فَاِنَّكُمْ تَدْخُلُوْا حِجَّةَ رَبِّكُمْ“ (مسند احمد)

لوگو! میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہونے والی ہوگی، نبیؐ کو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، مہینے کے روزے رکھا کرو، اپنے اموال کی زکوٰۃ نہایت خوشی کے ساتھ دیا کرو، خاندانہ کالج بخلا اور احکام کی اطاعت کرو، جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کی فردوس بریں میں داخل ہو جاؤ۔“

اس دفعہ میں نبیؐ نے ختم نبوت کا اعلان کر دیا کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آنے والا ہے اور نہ کوئی نئی امت آنے والی ہے لہذا دین مبین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت و ترویج کی ذمہ داری تمہارے کانہوں پر ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان کا تذکرہ کیا اگر تم ان فرائض کو بخوبی انجام دیتے ہو تو آسانی کے ساتھ جنت میں داخلے کا ٹکٹ مل سکتا ہے۔ اور آخر میں نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم سب کا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا: آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے اللہ کے پیغام کو ہم تک پہنچا دیا۔ نبیؐ نے اس لمحہ اپنی انگلی سے (بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

اسی سے نوع انساں پھر ہدایت کی سواالی ہے

اسامہ عظیم فلاحی

کے ہی بس میں ہیں، دنیا کی آبادی کی اکثریت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کہا جائے تو انسانوں کے مسائل کم ہونے کے بجائے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مشکل اور پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں اور دنیا کے پاس اس کا کوئی مستقل حل نہیں ہے۔ اگر دنیا کو کسی نظام میں اپنے مسائل کا حل نظر آتا ہو اور دکھائی دیتا ہے تو دنیا کی طاقتیں جنگ چھیڑ کر اس سے ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں۔

آج سے چودہ سو سال قبل جزیرۃ العرب کے باشندے اپنی کچھ خوبیوں کے باوجود امن و سکون سے محروم تھے، ان کے درمیان قبائلی عصیانیوں کی بنیاد پر سالہا سال جنگیں جاری رہیں، کسی کے حقوق کی ضمانت نہیں تھی، کمزور طبقات تختہ مشق بنے ہوئے تھے، خواتین کے تحفظ اور ان کے حقوق کا وجود ہی نہیں تھا، خدا کی مخلوقات کے سامنے سجدہ ریز ہو کر انسان روز آئے اپنے آپ کو سینکڑوں دفعہ ذلیل و درو کرنا، ایسے عالم میں خدائے ذوالجلال والا کرام کی رحمت جوش میں آتی ہے اور انسان کی حرمان لیبیسی کا دور ختم ہونے کا وقت آتی ہے اور انسان اپنے

بنا دیا ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے، ہر ملک اقتصادی طور پر دوسرے ملک کو پیچھے کرنے کے لئے ہر طرح کی غیر انسانی حرکتیں ملکی مفاد کے نام پر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، چاہے ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے انسانی بحران ہی کیوں نہ پیدا ہو جائے۔ اس وقت دنیا میں جس قدر مہاجرین کی تعداد پائی جاتی ہے اتنی تعداد تاریخ کے کسی زمانے میں نہیں رہی ہے۔

کہنے کے لئے تو آج کی دنیا میں حقوق کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ جیسا عالمی ادارہ بھی موجود ہے، انصاف کے حصول کے لیے ضلع سے لیکر عالمی پیمانے تک کی عدالتیں موجود ہیں لیکن یہ عدالتیں حصول انصاف کا ذریعہ تو نکالنا علم کی مددگار بنی ہوئی ہیں۔ انصاف کے پیمانے ہر ایک کے یہاں الگ الگ ہیں۔ بلاشبہ جدید دور کی ایجادات بے انتہا ہیں، زندگی سے لطف اندوز ہونے کے جتنے ذرائع آج دستیاب ہیں اتنے کبھی نہیں تھے انسانوں کے لئے بے شمار آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن یہ ساری چیزیں چند مفید افراد

امن کی تلاش اور عدل و انصاف کا حصول ہمیشہ انسانی سماج میں موضوع بحث رہا ہے۔ یہ الفاظ اتنے جامع اور اپنے اندر اتنی معنویت رکھتے ہیں کہ دنیا کے ظالم اور جاہل حکمرانوں کو بھی اس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود امن اور عدل و انصاف سے انسانی سماج اکثر و بیشتر محروم رہا ہے۔ امن و انصاف کے قیام کا دور جدید لاکھ دعویٰ کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نعروں کے پردے میں سب سے زیادہ امن کو غارت کیا گیا، انسانی سماج کو مہلک بیماریوں کی سوغات دی گئی، اس سماج کو کمپیکل اور بارود کے ڈھیر پر لاکھڑا کیا گیا، لسانی، رنگت اور علاقوں کی بنیاد پر تقسیم کر کے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا گیا اور پھر ان لکیروں کے تحفظ کے نام پر ہر ملک کے امن و سکون کو مستقل خوف میں بدل دیا گیا۔ دنیا بھر کے ممالک ایک دوسرے سے خوف کی وجہ سے ہتھیاروں کا اس قدر ذخیرہ اکٹھا کر چکے ہیں کہ اس دنیا کوئی دفعہ مکمل تباہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیوں نے دنیا کی بیشتر آبادی کو اس قدر غریب

حقیقی مقام سے واقف ہو کر اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

نبی پاکؐ خدا کی تعلیم کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کے اندر جب تک اپنے خالق و مالک کا حقیقی شعور و آخرت میں جو ابدی کا احساس پیدا نہیں ہو گا اس وقت تک سماج میں کسی بھی قسم کی پائیدار اور نتیجہ خیز تبدیلی ناممکن ہے۔ آپ کی بعثت کے وقت عرب بہت بڑے بڑے مسائل سے دوچار تھے آپ جانتے تو خاتمہ غربت کی تحریک چلا کر سرمایہ داروں کا تخت الٹ دیتے اور عوام آپ کا ساتھ دیتی لیکن اس تحریک کا انجام بالآخر ایک دوسرے سرمایہ دارانہ گروپ کے وجود کی شکل میں ظاہر ہوتا اور ایک دوسری کشمکش شروع ہو جاتی۔ آپ جانتے تو انصافی کے خلاف تحریک برپا کر دیتے لیکن خوف خدا اور احساس جو ابدی سے عاری کوئی گروپ زیادہ دیر تک انصاف کی راہ پر قائم نہیں رہ پاتا۔ آپ جانتے تو ممتحن عربوں کے اتحاد کا نعرہ بلند کرتے لیکن اس کے نتیجے میں عرب امپیریلزم ہی پیدا ہوتا، عرض یہ کہ نبی کریمؐ کے سامنے درجنوں ایسے نعرے تھے جن کی بنیاد پر وہ انسانوں کے مسائل حل کرنے کے کوشش کرتے تو کوئی بعید نہیں ہو عوام آپ کا ساتھ نہ دیتی لیکن آپ کو معلوم تھا کہ جب تک دلوں کو ہر قسم کی گندگی، چاہے وہ بت پرستی کی گندگی ہو یا شرک کی، وہ گندگی قبائلی عصبیت کی جو یا حسب و نسب کے ٹکڑی، وہ گندگی بدعات و خرافات کی ہو یا جہالت کی، سے صاف کر کے اس میں ایمان باندھ کا نور، انتخاب آخرت کا احساس اور رسول کی غیر مشروط اطاعت کو داخل نہ کر دیا

جائے انسانوں کے مسائل کے حل کی شخصوں بنیاد فراہم نہیں ہو سکتی۔

اللہ کے رسولؐ نے ان بنیادوں پر قرآن کی روشنی میں ایک ایسے سماج کی تشکیل کی جو قیامت تک کے انسانوں کے لئے اسوہ ہے۔ اس سماج کا ہر فرد احساس جو ابدی سے کاہنہ تھا خواہ نظر آئے گا، اس سماج میں ایک کالے حبشی غلام کو سردار کا مقام حاصل ہوتا ہے، اس سماج میں غیر اسلامی ادیان و مذاہب کے افراد کو تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے، اس سماج میں بیچ کے سامنے ایک عام آدمی اور وقت کا خلیفہ برابر کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے خلاف فیصلہ کو وقت کا خلیفہ قبول کرتا ہے، اس سماج میں معاشی ناہمواری کا وجود نہیں ہوتا، اس سماج میں لوگوں کی آمدنی پر نظر رکھنے کے کے بجائے اس بات پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے کہ کوئی جھوکا نہ سوتے، اس سماج کے حاکم کو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ اس کی ریاست میں کوئی جانور جھوکا یا پیا سام گیا تو وہ اللہ کے سامنے کیا جواب دے گا۔ اس سماج میں لوگ ضرورت مندوں کو تلاش کرتے ہیں لیکن آسودگی اس قدر ہے کہ کوئی مدد لینے والا نہیں، اس سماج میں ایک خاتون ہاتھوں میں سونا چھانتی ہوئی ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتی ہے اور اس کو کسی کا خوف ہوتا عرض یہ کہ رحمت للعالمین نے ایک ایسا سماج کھڑا کیا جہاں امن و انصاف کا بول بالا ہوا، انسانی جان کی حرمت قائم ہوئی اور سارے لوگ قانون کی نگاہ میں نظری اور عملی طور پر یکساں قرار پائے اور انسانیت اپنے حقیقی مقام پر فائز ہوئی۔ اسلامی

حکومت اور اسلامی سماج نے ایک طویل مدت تک انسانوں کو امن و انصاف اور حقوق کے تحفظ کا جام پلایا لیکن ہم خود ہی داستان کہتے کہتے سو گئے تو شیطان اور اس کے حواری ہمارے نعروں کو لے اڑے اور ان کی آڑ میں تاریخ کی خطرناک ترین انسانیت سوزی اور جہالت و درندگی کا ذرہ نہ ٹھیل کھیل گیا بلکہ اسے نت نئے فلسفوں کے ذریعے جواز بخشنے کی جہارت بھی کی گئی۔

ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ آج دوبارہ وہی نظام اور وہی سماج کیسے قائم ہو سکتا ہے جب کہ رسول اللہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، نیران کے اسوہ کو ہم کیوں اور کیسے آج اختیار کر سکتے ہیں؟ ان سوالات کے جوابات بہت مشکل نہیں ہیں۔ آپ کسی اسوہ کے قابل عمل ہونے کی کوئی بھی سمجھتی نہیں اور اس سمجھتی پر دنیا بھر کے قائدین اور تاریخی شخصیات کو رکھ کر نہیں۔ اللہ کے رسولؐ کی شخصیت ہر اعتبار سے کامل، احسن اور قابل اتباع نظر آئے گی۔

تاریخی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا ذات ایسی ہے جن کی زندگی کا ایک ایک گوشہ مستند ترین ذرائع سے محفوظ ہے۔ غلط فہمی سے انہی زندگی میں کوئی چیز بڑھانی جاسکتی ہے نہ گھٹائی جاسکتی ہے۔ دنیا کی کسی بھی شخصیت کو دیکھا جائے تو اس کے ساتھ سینکڑوں غیر مستند باتیں اور افسانے مل جائیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں اس طرح کی باتیں سوچی بھی نہیں جاسکتی۔

اسی طرح سے آپ کی زندگی کا آئینہ ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ کے لئے آپ کا قولی

اور عملی نمونہ موجود ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں آپ کی نظری اور عملی رہنمائی موجود نہ ہو۔ دنیا بھر کی شخصیات کو دیکھ جائیں، انکا نمونہ زندگی کے کسی ایک گوشے کی رہنمائی بمشکل کر رہا ہوگا کوئی صرف اسن کا داعی ہوگا تو کوئی انفرادی تزیین کی طرف بلا رہا ہوگا کوئی جنگ کا سورما ہوگا تو کوئی فلسفہ کا امام لیکن کوئی شخصیت ایسی ہو جو زندگی کے جملہ انفرادی و اجتماعی مسائل میں نمونے کے مقام پر فائز ہو تو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

دنیا بھر کے لیڈروں کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہاں ہر طرف افراط و تفریط نظر آئے گی، کوئی مارٹھا کر چپ رہنے کی تلقین کر رہا ہوگا تو کوئی ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں سے دور رہنے کی تلقین کر رہا ہوگا کسی کی زندگی سراپا جنگ و جدال ہے تو کسی کی زندگی مادہ پرستانہ فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں منہمک، لیکن نبی آخر الزماں کی زندگی پڑھ جائیں تو وہ جامعیت کا اعلیٰ نمونہ بن کر سامنے آئے گی، ان کی زندگی میں غریبوں کی داد رسی ہے تو ظالموں سے سچہ آزمائی بھی ہے، خواتین کی عزت اور حقوق کا تحفظ ہے تو بیویوں

کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے، حاکم ہیں تو عدل و انصاف کا بول بالا ہے اور حق کے لیے اپنی پیاری بیٹی کے خلاف فیصلہ دینے کے لئے آمادہ ہیں، سپہ سالاریں تو شجاعت اور بہادری آپ پر ختم ہے، اسن کی خاطر اسپنے جانی دشمنوں سے ہر وقت صلح کے لیے تیار ہیں لیکن اگر کوئی اس خوبی کو کمزوری سمجھنے کی اعتقاد رکھتا ہے تو اس کے لئے فلا دہی میں، بغرض یہ کہ جامعیت کا شاہکار ہے آپ کی زندگی۔ دنیا کے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے بہت سارے اقوال یا ان کی زندگی کے کئی پہلو ایسے ہیں جن پر عمل ناممکن یا انتہائی دشوار ہے، لیکن ان حضوروں کی زندگی کا ہر گوشہ نہ صرف قابل عمل ہے بلکہ اس پر پل کر انسان کی سرخروئی کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ موجودہ دور میں بہت ساری اقوام نے آپ پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود آپ کے اسوہ حسنہ سے استفادہ کر کے مشکل حالات میں کامیابیاں حاصل کی ہیں کیونکہ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ قیامت تک قابل عمل ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عمومی طور پر پوری دنیا کے لیے آج بھی نمونہ ہے۔ آج انسانیت جس طرح کے خطرناک نفعیاتی،

معاشی اور سیاسی مسائل سے دوچار ہے ان کا حل موجودہ دور کے کسی نظریہ حیات کے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی کھلے ذہن سے رسول عربی کی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے وہ ان کا ایسا ہو جاتا ہے اور اسے اپنے درد کا درماں مل جاتا ہے۔ باطل طاقتیں رسول اللہ کی شخصیت سے سب سے زیادہ اپنے بعض وجد کا اظہار صرف اس وجہ سے کرتی ہیں کہ ان کی زندگی ظالموں اور جاہلوں کے نظام کے لیے سب بڑا خطرہ ہے، وہ انہیں نعوذ باللہ دہشت گرد تک کہنے سے باز نہیں آتے، انکے ماسنے والوں پر عرصہ حیات تنگ کی جاتی ہے، جو لوگ ان کے من کے حامل ہیں ان کو زنداں کے حوالے کر کے عدالتی کارروائیوں کے منہجے میں کسا جاتا ہے، یہ ساری کوششیں ان کی شکست کی علامت ہیں اور رسول عربی کے اسوہ حسنہ کی قبولیت کی گواہ ہیں۔ باطل ہزاروں چابلیں چل لے لیکن رسول اللہ کے نظام کا راسخہ نہیں روک سکتا کیونکہ حقیقت میرٹھی کے بقول:

اسی سے نوع انسان پھر ہدایت کی سوا لی ہے وہ ہادی جس نے دنیا دین کے سماجے میں ڈھالی ہے



(بقیہ صفحہ ۸ کا)

ملی کہ مشرکین مکہ کا ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر مکمل ہتھیاروں سے لیس ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینے کا ارادہ لے کر نکل پڑا ہے تو اس وقت مشورہ کارخ بدل گیا اور رفقار سے مقابلہ کی بات ہونے لگی، اس وقت آپ لوگوں سے ان کی رائیں لے رہے تھے کہ حضرت مقداد پڑھے اور کہا:

”اے اللہ کے رسول ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر دشمنوں سے لڑو، نہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔“ یہ تھا ایمان بالرسالت کا مفہوم جس کا عملی ثبوت صحابہ کرامؓ دیتے رہے، ان کا انصاف کے حامل افراد جب دنیا میں ہوں تو سرخروئی و سر بلندی ان ہی کا حصہ ہوگی اور آخرت میں بھی اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے نتیجے میں وہ سزاوار ہوں گے۔

اللہم وفقنا لما تحب و ترضی۔



مخلوط تعلیم کا سائنسی تجزیہ

عبداللہ

مخلوط تعلیم کے نفسیاتی نقصانات:

لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک کلاس میں جمع ہونا نفسیاتی اور حیاتیاتی (Biological) لحاظ سے تباہ کن ہوتا ہے۔ امریکی مفکر جورج گلڈر (George Gilder) اپنی کتاب "Men & Marriage" میں لکھتا ہے کہ: "مخلوط تعلیم میں لڑکے اور لڑکیاں جلدی بالغ ہو جاتے ہیں۔ اس پر متزاہد یہ کہ بلوغت کے وقت لڑکوں کے جسم میں مردانہ ہارمون (Testosterone) عام حالات کے مقابلے میں دس سے بیس گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ شدید نفسیاتی اور جنسی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں زانہ ہارمون Progesterone اور Estrogens کی وجہ سے بلوغت کے دور میں سستی اور ڈپریشن نام ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں ان کی اکثریت جنس مخالف کے متعلق ہی سوچتی رہتی ہے۔"

پھر جورج گلڈر لکھتا ہے:

"If you do not believe

نسوان کے علمبرداروں (Feminists) نے اس طرزِ تعلیم کو وسیع پیمانے پر عام کرنے کی کوشش کی، تاکہ عورتیں نہ صرف باہر مردوں کے شانہ بشانہ "چل سکیں" بلکہ اسکولوں اور کالجوں میں بھی مردوں کے شانہ بشانہ "بیٹھ سکیں"۔ تحریک نسوان کے علمبرداروں کی معنوی اولاد یعنی NGO's نے آج کل اس بیڑے کو اٹھایا ہوا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ تحریک نسوان میں صرف نام کا "نسوان" ہے وگرنہ ان کا مقصد ہر میدان میں عورت کو بے پردہ کر کے مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کر کے اس کی نوانیت کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ پچھلے ۳۰ سالوں میں مغرب میں مخلوط تعلیم کی پے در پے ناکامیوں کو دیکھ کر یہاں کے ارباب فکر و نظر نے اب غیر مخلوط تعلیم (single-sex education) کی صدا بلند کی ہے اور بہت زور سے کی ہے۔

اس باب میں مخلوط تعلیم کے نقصانات اور غیر مخلوط تعلیم کی برکات کا مذہب اور سائنس کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے گا:

اسلام نے مسلمانوں کو ایک اعلیٰ اور جامع نظام معاشرت عطا کیا، جس میں مخلوط مخلوق کی اجازت نہیں۔ اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ حضرت محمدؐ بیشک انسانی تاریخ کے سب سے کامیاب ٹیچر اور پروفیسر تھے۔ حضورؐ کا طالب علموں کو پڑھانے کا طریقہ مخلوط تعلیم پر مشتمل نہ تھا۔ حضورؐ نے اصحابِ صفہ (جو مرد طالب علموں پر مشتمل تھا) کی تعلیم کے لیے علاحدہ دن مقرر کیے ہوتے تھے اور خواتین کی تعلیم کے لیے علاحدہ دن مقرر کیے ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو امت کی ماں ہیں، ان کا طریقہ تعلیم بھی ایسا تھا کہ وہ مردوں کو تعلیم پر دسے کے پیچھے سے دیتی تھیں۔ اسلام کی پوری تاریخ دیکھ لیں، مسلمانوں کی درس گاہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علاحدہ ہوا کرتی تھیں اور یونیورسٹی لیول تک علاحدہ ہی ہوتی تھیں۔

مخلوط تعلیم کا نظام تو دراصل مغربی تعلیم کا مہون منت ہے۔ اس کی ابتداء ۱۹۰۰ء کے اوائل میں ہوئی اور ۱۹۵۰ء کی دہائی میں تحریک

Children." Developmental Neuropsychology 16 (3) 479-506.)

حاصل کلام یہ کہ اکثر اوقات نشوونما کے اس فرق کو سمجھنے کی وجہ سے ماہرین تعلیم، اساتذہ اور والدین لڑکوں کو نالائق یا پڑھائی میں آہستہ قرار دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے لڑکوں میں اسکول کے اول روز سے پڑھائی کے لیے نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ امریکی خاتون فلسفی کرسٹینا ہاف سومرز (Christina Hoff Sommers) اپنی کتاب The War against Boys میں لکھتی ہے:

”حقائق کا تجربہ بنانا ہے کہ تعلیم میں لڑکیوں کے بجائے لڑکوں سے زیادتی ہو رہی ہے۔ لڑکے اوسطاً لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت میں لڑکیوں سے ڈیڑھ سال پیچھے ہوتے ہیں۔ وہ اسکول سے تم تعلیق رکھتے ہیں اور کالج جانے کے امکانات بھی کم ہی ہوتے ہیں۔“

(Sommers, Christina Hoff (2000) The War against Boys. New York, Simon & Schuster.)

نتیجتاً شروع عمر سے ہی لڑکے اسکول سے بدظن ہو کر اس کے متعلق معاندانہ احساسات پیدا کر لیتے ہیں جو کہ ان کی ساری زندگی ہر اثر انداز ہوتے ہیں۔ امریکہ کی اسٹین فورڈ یونیورسٹی (Stanford University) کے شعبہ تعلیم کی پرنسپل پروفیسر ڈیبرا سٹیپک (Prof Deborah Stipek) اور ان کی معاون

احساس دلائے کہ وہ کیسے نظر آ رہے ہیں۔ یعنی کیا میں لڑکیوں کو خوبصورت نظر آؤں گا؟“

لڑکے اور لڑکیاں مختلف انداز سے سمجھتے ہیں:

امریکہ کی مشہور جامعہ ورجینیا یونیورسٹی (Virginia Tech) کی خاتون سائنس دان ڈاکٹر ہیریٹ ہنٹن (Dr. Harriot Hanlon) نے ایک تحقیق میں دو ماہ سے ۱۶ برس کی عمر کے ۲۸۳ لڑکوں اور ۲۲۴ لڑکیوں کے دماغوں کی کارکردگی (brain activity) کا مشاہدہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ لڑکیوں کے دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق زبان دانہ (Language) سے ہوتا ہے وہ لڑکوں سے ۶ برس زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور لڑکوں کی جہتی یادداشت (spatial memory) سے چار برس زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہیں۔

اس لیے لڑکے اور لڑکیاں Language, حساب، جغرافیہ بالکل مختلف انداز میں سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کی باریک حرکت (digital coordination) یعنی پنسل پکڑنے اور اچھی لکھائی میں لڑکے لڑکیوں سے نو ماہ دیر سے مہارت حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ لڑکوں کی انگلیوں میں nerves کے مقابلے میں زیادہ دیر سے نشوونما پاتی ہیں۔

(Hanlon, Harriet, Robert Thatcher and Marvin Cline (1919). "Gender Differences in the Development of EEG Coherence in Normal

this, you are a dreamer."

اگر آپ لوگ اس بات کو نہیں مانتے تو آپ خوابوں کی دنیا میں بس رہے ہیں۔“

(Gilder, George (2001) Men and Marriage, Louisiana, Pelican Publishing Company.)

دیکھ بات یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی مردوں اور عورتوں کے احساسات یہی رہتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں جہاں مخلوط تعلیم ہے وہاں معاشقہ، پسند کی شادیاں (Love Marriages) اور گھر سے بھاگنے کے واقعات اسی ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

گولڈ کواسٹ (Gold Coast) کے ساؤتھ پورٹ اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر بروک کک (Dr. Bruce Cook) نے ایک بہت بڑے اسکول کے پرنسپل ہونے کی حیثیت سے اپنا تجربہ بیان کیا:

"Boys in single sex school don't have the constant presence of girls reminding them of how they look. You know, Am I looking OK for the girls?"

(West Andrew (July 6, 2003) "The boys who will be gentlemen" Sydney Morning Herald.)

”غیر مخلوط اسکولوں میں لڑکیاں موجود نہیں ہوتیں کہ جن کی موجودگی لڑکوں کو ہر وقت یہ

continue to struggle with reading and writing." Toronto (CP)

اس طرح کے مسائل غیر مخلوط تعلیم (separate-gender classrooms) میں نہیں پائے جاتے۔

لاڑکیوں اور لڑکوں کے سمجھنے میں فرق
ایک موازنہ:

لاڑکیاں: (۱) ریسرچ سے یہ پتہ چلا ہے کہ اپنے دماغ کی ساخت کی وجہ سے لڑکیوں کو پڑھائی کے لیے دوستانہ اور رحمدل فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) ساڑھے تین سال کی لڑکیاں بھی اتنی چہرہ شناس ہوتی ہیں کہ بچے کے چہرے پر ناراضگی کے آثار پڑھ لیتی ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتی ہیں۔

(۳) لڑکیوں کے دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق بول چال سے ہوتا ہے۔ وہ چھ سال آگے ہوتے ہیں بہ نسبت اسی عمر کے لڑکوں کے۔

(۴) لڑکیوں کی قوت سماعت لڑکوں کے مقابلے میں چارگنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے لڑکیوں کو نرم اور شفیق انداز میں پڑھانا بہتر ہوتا ہے۔

(۵) لڑکیاں بغیر کڑی نگرانی کے کلاس میں بیٹھ کر پڑھائی کر سکتی ہیں اور پڑھائی پڑو بہ مرکز کرنے میں انہیں دقت پیش نہیں آتی۔

لڑکے: (۱) اپنی دماغی ساخت کی وجہ سے لڑکوں کو ذہن اور غیر مخلوط ماحول کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کی صلاحیتیں نکھر سکیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

ہوں گے، کیونکہ انہیں بچے کی آواز نہیں آ رہی ہوگی۔ اس کے برعکس اگر بچے زوردار آواز میں لہجہ کرے تاکہ سب لڑکوں تک آواز پہنچے تو آگے بٹھتی ہوئی لڑکیاں جن کی قوت سماعت پہلے ہی لڑکوں سے چارگنا زیادہ ہوتی ہے، انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ بچے کی آواز ان کے کان بھاڑ رہی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی قوت سماعت کے

اس پیدائشی فرق کی وجہ سے دونوں کی تعلیم کا واحد مل دونوں جنموں کی علاحدہ علاحدہ کلاسز ہیں۔

ڈاکٹر لیونارڈ ساکس (Leonard Sax, M D , PhD)

Association for single sex public education کے بانی و ڈائریکٹر ہیں اور نیٹلی ڈاکٹر اور سائیکا لوجسٹ بھی ہیں۔ وہ

بیان کرتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کے دماغوں اور نفسیات میں فرق اتنی گہری جو ہیں کہ سمجھنے میں کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں کو ایک ہی کلاس روم میں بیک وقت کامیابی کے ساتھ پڑھایا جاسکے۔

ایک انٹرویو میں ڈاکٹر لیونارڈ نے کہا "تعلیم کے معاملے میں آپ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے، وہ کسی ایک جنس کو فائدہ دے گا تو دوسری جنس کو نقصان پہنچے گا۔"

انہوں نے مزید بتایا: "لڑکیاں لڑکوں سے اچھا اور تیز سنتی ہیں اور لڑکوں کے پڑھائی میں ناکامی کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکوں کو پوری طرح بچے کی آواز ہی نہیں پہنچتی۔"

(Horsey, Jen " Boys

دوسری خاتون ٹریسیا ویکسلی (Tricia Velski) نے اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کیا کہ جو لڑکے کمزور گارڈن میں اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکتے، وہ قابلیت کے متعلق منفی شعور اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں اور یہ منفی نظریات اسکول کے بقیہ زمانے میں تبدیل کرنا مشکل ہوتے ہیں۔

(Valeski, Tricia & Deborah, Stipek (2001). "Young Children's Feeling about School." Child Development 72 (4): 1198-1213)

ایسے حالات میں دونوں جنموں کو کیسے ایک کلاس میں ساتھ بٹھا کر ایک ہی طریقے سے تعلیم دی جاسکتی ہے؟

لڑکے اور لڑکیوں کی قوت سماعت میں فرق:

پچھلے چالیس سال کی سائنسی تحقیقات کے مطابق لڑکیوں کی قوت سماعت لڑکوں کے مقابلے میں بچکن ہی سے تقریباً چارگنا زیادہ تیز ہوتی ہے۔ (مشافہ خاتون سائنس دان جین کیریڈی اور کیرن ڈی (پنی ایچ ڈی) کی تحقیق جو

Journal of Music Therapy میں

چھپی) کے مطابق قوت سماعت کا یہ فرق لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں دور رس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مخلوط کلاس جس

میں لڑکیاں آگے بٹھتی ہوئی ہوتی ہیں اور لڑکے پیچھے، اگر بچے آہستہ آواز میں لہجہ دے تو آخری صفوں میں بیٹھے لڑکے اپنی شرائط میں مشغول

ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی

مختار احمد کی

قبیلہ کی بغاوت سے مختلف نہیں۔ شیواجی کا مقصد کبھی بھی ہندو دھرم کا احیاء نہیں رہا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شیواجی کا دادا مالوہی مسلمان پیروں کا بڑا معتقد تھا اور احمد شہزاد کے دربار میں ایک نامور فوجی کمانڈر تھا۔ وہ حضرت شاہ شرف کامرہ تھا جو احمد شہزاد میں مدفون ہیں اور اپنے پیروں میں نام پڑی اس نے اپنے دونوں بیٹوں کا نام شاہ جی اور شرف جی رکھا تھا جو فی الحقیقت مسلمانوں کے نام ہیں۔ اس کی ماں کا ذاتی محافظ بھی ہماری مسلمان تھا اور اس کی فوج میں ایک تہائی مسلمان سپاہی تھے۔ خود شیواجی کا باپ شاہ جی مغلوں کی فوج میں شرکت کے لیے آمادہ تھا بشرطیکہ پونا کے قریب اس کو مناسب جاگیر مل جائے لیکن یہ معاہدہ طے نہیں پایا۔ خود شیواجی بابا یاقوت علی کا ہے۔ حد احترام کرتا تھا اور اس نے ۱۷۵۳ء کی زین بطور جاگیر عطا کی اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔ اس نے اپنے فرمان میں لکھا کہ حضرت بابا یاقوت بہت بڑے سنت اور سونے میں کسی بھی جنگ میں جانے سے قبل

محمود غزنوی کی تمام فوج کشتی میں ہندوستانی راہے یا ہندو سپاہی موجود رہے۔ شیخ حمید راہے جے پال کی فوج کا کمانڈر تھا تو کوٹ کی لڑائی میں قلعہ شیم کا ہندو راہے محمود کے ساتھ تھا۔ اس جنگ کے بعد دس ہزار ہندو محمود کی فوج میں شامل ہوئے جن کا سپہ سالار سونیندر رائے تھا تھا نیر کی لڑائی میں محمود غزنوی کے ساتھ بارہ ہزار ہندو تھے۔ جب قنوج، مہابن اور برن (بلنڈ شہر) پر فوج کشی ہوئی تو راہے کشمیر سلطان محمود کے ساتھ تھا۔ جی کہ سومانوہ کی جنگ میں بھی سمندر کی جانب سے جو حملہ ہوا اس میں ہندو سپاہی کشتیوں پر سوار تھے۔ راہے جت، بندیلے اور شیواجی کے اپنے رشتہ دار اور رنگ زیب کی خاطر شیواجی اور اس کے جانشینوں کے خلاف لڑے۔ مہنوں نے ہندوؤں کے خلاف بھی حملے کئے اور اس کے لشکر میں بڑی تعداد میں مسلمان سپاہی بھی موجود ہوئے۔

شیواجی کا خاندان

خود شیواجی کی بغاوت نہ تو ملکی تھی اور نہ ہی مذہبی بلکہ ایک قبیلہ کی بغاوت تھی جو دوسرے

اس کے علاوہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمد بن قاسم سے لے کر آخر تک جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں دونوں ہی جانب سے ہندو اور مسلمان سپاہی ہوتے۔ آخر تو یہ جنگیں باپ، بیٹے، حقیقی بھائی، چچا یا خاندان کے مختلف رشتہ داروں کے درمیان ہوتیں۔ کبھی بھی یہ خالص ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کی جنگ یا جہاد نہیں ہوتیں جس میں ہندو اپنے دھرم کے لیے اور مسلمان اسلام کے لیے لڑے ہوں۔ دونوں ملک گیری، منصب و اقتدار کے لیے لڑتے۔ تبلیغ دین ان کا نصب العین کبھی بھی نہیں رہا بلکہ وہ ان بان کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے۔ ان کے راستے میں جو کوئی بھی آٹا سنے شتم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ ان جنگوں میں ہندو سردار ہندو سرداروں سے اور مسلمان مسلمان سلطان سے لڑتے۔ یہ دونوں آپس میں بھی لڑتے۔ مسلمان سپہ سالار کے ساتھ ہندو سپاہی ہوتے تو ہندو سپہ سالار کے ساتھ مسلم سپاہی۔ محمد بن قاسم اور راہے داہر دونوں کی فوجوں میں ہندو اور مسلمان سپاہی موجود تھے۔

شیواجی ان سے ملنے اور ان کا آخرواد حاصل کرنے ضرور پہنچ جاتا تھا۔ اس کے بحری افواج کا سربراہ دولت خان اور شیردی مصری تھے۔ مداری مہتر نامی مسلم فرانس نے ہی اس کو آگرہ کے قلعہ سے بھاگنے میں مدد کی تھی۔ بیرونی ریاستوں سے رابطہ اور تعلقات قائم رکھنے کی ذمہ داری ملاحیدر علی منشی کی تھی اور اسے ہی دکن کے مغل گورنر بہادر خان کے پاس معاہدہ کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کا شمار شیواجی کے سب سے وفادار جنرل میں ہوتا تھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مسلم خاتین کے ساتھ انتہائی عروت سے پیش آئیں اور انتہائی احترام کے ساتھ قرآن کے نسخوں کو رکھیں۔ جب کہ دوسری جانب مغل افواج کا سپہ سالار ایک ہندو ہے گھمے تھا۔ اپنی راجدھانی رائے گڑھ میں اپنے محل کے سامنے جہاں ان سے گلہ شکو کا مندر بنوایا وہیں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی۔

شیواجی کے پوتے ساہو کو اورنگ زیب نے آگرہ کے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا لیکن وہاں اس نے اس کی مذہبی تعلیم کا پورا خیال رکھا اور ہندو پنڈتوں کے ذریعہ دھرم شاستروں کی تعلیم دلوائی۔ سنبھادی کے مرنے کے بعد ساہو شیواجی کی سلطنت کا وارث مقرر ہوا۔ اورنگ زیب کے احسانوں اور محبت کے احساس سے غمزہ اورنگ زیب کے جنازہ کے ساتھ وہ غلام آباد تک سمیا تو قبر میں مٹی ڈالتے ہوئے اس کی انگلیں آنسو سے تر تھیں۔

اورنگ زیب اور ہندو منادر

جہاں تک اورنگ زیب پر متھرا اور بنارس

کے مندروں کو توڑنے کا الزام ہے تو اس نے گوکھنڈہ کی جامع مسجد کو بھی مسمار کر لیا کیوں کہ وہاں کے حکمران تانا شاہ نے مرکو کو خرانج دینا بند کر دیا تھا اور اس کے سارے خزانے کو مسجد میں ڈفن کر دیا تھا۔ بادشاہ کو نہر ملی تو اس نے عمارت توڑوا کر شاہی خزانہ حاصل کیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے باپ کے مزار سے چاندی کے تختے نکلوا کر اس کے سنے ڈھلوانے اور اس سے نہریں کھدوائیں اور دریا میں پل بنوائے۔ وہی اورنگ زیب تقریباً ۲۵ سال تک دکن میں اجتیا اور ایلورا کے مندروں کے قریب رہا لیکن اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا لیا۔ جنوبی ہندوستان کے ہزاروں مندروں آج بھی اس کی گواہ ہیں کہ کسی بھی مسلم بادشاہ نے خواہ مخواہ اس کو نہیں چھیرا۔ اورنگ زیب کے ذریعہ کسی مندر کو توڑوانے کی کوئی مستند روایت بھی موجود نہیں۔ اپنے وسیع رقبہ (شمال میں قراقرم کے پہاڑ اور آکسین دریا سے جنوب میں دریائے کاویری تک اور مغرب میں ایران کی سرحد سے لے کر برمانیک) اور طولی المدت (پچاس سالہ) دور حکومت میں مذہبی تعصب کی بنیاد پر آگرہ و مندروں کو مسمار کرنا تو ہندوستان میں آج ہندو مندر نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ جاتی اور نہ ہی شاید کوئی ہندو ہی بچتا۔ مزید یہ کہ اگر اورنگ زیب مذہب کے معاملہ میں ایسا ہی سخت اور کڑھ تھا تو سمیا شریعت اسلامی مندروں کو توڑ کر مسجد بنانے کی اجازت دیتی ہے؟ ظاہر ہے اسلام دوسروں کی زمین یا کسی بھی مذہبی جگہ کو چھین کر یا غضب کر کے یا زور بردستی قبضہ کر کے مسجد بنانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

قرآن مجید میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں مال و دولت حاصل کرنے یا مالک گیری اور لوگوں کو پامال کرنے کی ہدایت یا اعتدال سے حجاز دکن کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہو۔ اورنگ زیب کو یوں بھی مسجد میں تعمیر کروانے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا۔ اس کے دور حکومت میں زیادہ تر مسجدوں کی مرمت ہی ہوئی۔ ویسے بھی مغل بادشاہوں کو زمین کی قلت نہیں تھی کہ وہ مندروں کو توڑوا کر مسجد میں تعمیر کروائے۔ مزید یہ کہ ایک قابل حکمران کی حیثیت سے وہ کیسے بھول سکتا تھا کہ ہندوستان کی بڑی آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے جو اپنے مذہب اور عقیدہ کے لحاظ سے کچھ نہیں۔ ہندو رعایا اور طاقتور ہندو راجا اور زمیندار اس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ پھر اگر انہیں زبردستی مسلمان بنا بھی لیا جاتا تو سمیان پر اعتقاد کیا جاسکتا تھا اور اس بات کی کوئی ضمانت تھی کہ وہ مسلمان بنے رہیں گے۔ اورنگ زیب کے سامنے یقیناً

حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ قول رہا ہو گا کہ:
”غیر مسلموں کو طاقت اور ترغیب سے
جھکا یا نہیں جاسکتا ہے بلکہ ان کو صرف
ہمدردانہ میل جول سے اسلام کی جانب
مائل کیا جاسکتا ہے۔“

بنارس کے کاشی و شو نانتھ مندر کو توڑنے کے سلسلہ میں ڈاکٹر پنٹا بھی سمیتا رامیہ نے کچھ اہم دستاویزات کے ساتھ اپنی کتاب دی فیدرا اینڈ اسٹون (The Feather and Stone) میں روشنی ڈالی ہے جسے پینڈہ میوزیم کے بھور یٹر ڈاکٹر بی این گپتا اور مشہور مورخ بی این پانڈے نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:

”بگال جاتے ہوئے اورنگ زیب بنارس کے قریب سے گزرا۔ اس کی فوج میں شامل ہندو راجاؤں نے گنگا ایشان اور دشنو پوجا کی خواہش ظاہر کی جس کی اجازت اورنگ زیب نے دے دی۔ متعدد رانیوں نے گنگا ایشان کے بعد دشونا تھ کا दर्शन کیا لیکن واپسی پر کچھ (سندھ) کی مہارانی غائب تھی۔ مندر کے احاطہ کی تلاشی کی گئی لیکن مہارانی نہیں ملی۔ اورنگ زیب کو جب اس کی خبر ملی تو اسے بے انتہا غصہ آیا سختی سے مندر کی دوبارہ تلاشی کی گئی تو پتہ چلا کہ گنیش کی مورتی کے پیچھے سے دیوار میں ایک خفیہ سرنگ ہے۔ اندر جانے پر بے آبر و مہارانی کی لاش ملی جسے اجتماعی آبروریزی کے بعد ختم کر دیا گیا تھا اور یہ جہنم خاں دشونا تھ کی پرہیزگار کے عین بیٹھے تھا۔ فوج میں موجود ہندو راجاؤں کے اصرار پر اس حرام کاری کے اڈے کو مسمار کر دیا گیا۔ دیوتا کی مورتی وہاں سے جہادی گئی اور اس کی مہنت کو سخت ترین سزا دی گئی۔

جہاں آج گجیان واپنی مسجد ہے وہاں اکبر کا تعمیر کردہ دین الہی کا ادارہ تھا جسے توڑوا کر شاہجہاں نے ۱۶۲۷ء میں مسجد بنوائی تھی اور اس کا تاریخی نام ابوان شریعت رکھا تھا۔

خود اورنگ زیب نے بڑی تعداد میں ہندو مندروں اور مٹھوں کی پوجا بھوگ کے لیے وطن سے اور جاگیر میں مقرر کئی تھیں۔ ڈاکٹر بشمبر ناتھ پانڈے اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ:

”جب میں الہ آباد میو پی ٹی کا پیر میں تھا تو تہ تیغی سنگ کے قریب واقع میٹھو ناتھ مہادیو مندر کے مہنت کی موت کے بعد اس کے دو دو پیدار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان دونوں نے میو پی ٹی میں داخل خارج کے لیے اپنے اپنے کاغذات جمع کیے۔ جب میں نے ایک دستاویز پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ وہ اورنگ زیب کا فرمان تھا جس میں نے انھوں نے مندر کے پجاری کو بھوگ اور پوجا کے لیے جاگیر میں دو گاؤں عطا کیے تھے۔ مجھے دستاویز دیکھ کر نقل کا گمان ہوا کہ اورنگ زیب جیسا بت شہنشاہ اور سکر مسلمان بت پرست کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اس دستاویز کو لے کر سیدھے سر تیج بہادر پور کے پاس گیا جو کہ فارسی کے ایک بڑے اسکالر تھے اور انہیں اسے دکھایا۔ انھوں نے مطالعہ کے بعد بتایا کہ یہ دستاویز اصل میں ہے۔ میں نے اپنے شک کا اظہار کیا کہ عالمگیر تو مندروں کو توڑتا تھا، بت شہنشاہ تھا وہ کھرا کر جی کے بھوگ اور پوجا کے لیے جائداد کیسے دے سکتا ہے؟ اس پر پورچی نے بنارس کے جنگم باؤی شیو مندر کے سلسلہ میں اورنگ زیب کے چار فرمان دکھائے جس میں جنگوں کو معافی کی زمین عطا کی گئی تھی۔“

الہ آباد میں واقع مشہور ناتھ مہادیو مندر میں کامہا کالیہ شور شیو مندر، گوبائی کا اوما ہند اور کاما کھیا مندر، تروپتی مندر، چتر کوٹ کے بالاجی مندر (مہنت بالاداس کے نام تین سو بیگہ زمین کی مال گزاری معاف زمین کا فرمان) اور ستر و جی

میں جین ابومنندرو وغیرہ وہ چند مندر ہیں جس کے فرمانوں کی کاپیاں آج بھی موجود ہیں جنھیں اورنگ زیب کے ذریعہ ۱۶۵۹ء تا ۱۶۸۵ء جاگیریں اور عطیات عنایت کیے گئے۔ اسی طرح ۱۶۷۲ء میں اس نے بنارس کے جنگم باؤی مٹھ میں ۷۸ ایکڑ زمین اور بیٹی مادھو گھاٹ پر ۱۶۸۳ء میں مرکزی مسجد کے پاس دو پلاٹ رام جیون گو سائیں اور اس کے لڑکے کو بطور انعام عطا کیا تاکہ مذکورہ پلاٹوں پر برہمنوں اور فقیروں کے لیے رہائشی مکانات بنوانے کے بعد وہ خدا کی عبادت اور ہماری سلطنت خداداد کی بقائے دوام کے لیے اختیاء و دوام لگ جائیں۔

اسی طرح ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۰۶۳ھ (بطلین مارچ ۱۶۶۰ء) کو اورنگ زیب کے ذریعہ جاری کیا گیا ایک فرمان ناظم بنارس ابوالحسن کے نام موجود ہے جس میں تحریر ہے کہ:

”اسلامی شریعت کی رو سے قدیم مندروں کو ہرگز منہدم اور برباد نہ کیا جائے۔ ہماری اطلاع میں یہ بات آئی ہے کہ بعض لوگ از راہ جبر و تعدی قبضہ بنارس اور اس کے فوجی مقامات کے رہنے والے ہندوؤں اور برہمنوں پر جو قدیم مندروں کے پر وہت ہیں تشدد اور زیادتی کرتے ہیں تاکہ انھیں ان کے قدیم حقوق سے محروم کر دیں۔ اس لیے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ایسا انتقام نہ لیا جائے تاکہ کوئی ان کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور نہ ہی انھیں کسی تشویش میں مبتلا ہونے دیا جائے۔“

اس طرح گجیان چند نے اورنگ زیب

کے ذریعہ مختلف مندروں اور برہمنوں کو دینے لگے ۲۳ فرماؤں کی کاپی کے اچھے حالات میں موجودگی کا اعتراف کیا ہے۔ جنھیں اس نے خود دیکھا اور پڑھا ہے۔ اورنگ زیب بذات خود انتہائی سادہ زندگی بسر کرتا تھا اور بیت المال کے پیسے کو اپنی ذاتی ضرورتوں کے لیے ہاتھ نہیں لگاتا۔ اپنی روزی ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف کی کتابت سے حاصل کرتا۔ نوے سال کی عمر میں ۲۱ فروری ۱۷۰۷ء کو بروز جمعہ احمد نگر میں وفات پائی تو اورنگ آباد (دکن) سے بارہ کوس دور روئے خلد آباد میں دفن ہوا۔ مرنے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ چار روپے دو آنے جو اس نے ٹوپی بنانے کی مزدوری کے طور پر حاصل کیے ہیں وہ اس کے کفن پر خرچ ہو جب کہ تین سو پانچ روپے جو قرآن شریف کی کتابت کی اجرت کے طور پر جمع ہیں وہ مساکین میں تقسیم کر دیے جائیں۔ وصیت کے مطابق اس کی تدفین نہایت سادہ انداز میں ہوئی اور اس کی تربت پر کوئی مقبرہ بھی نہیں بنایا گیا۔

ہندو راجہ اور مسلمان

دوسری جانب ہندو راجاؤں کا سلوک مسلمان رعایا کے ساتھ انتہائی ظالمانہ تھا۔ شاہ بہرام کے زمانہ میں سلاطین غزنہ اور سلاطین غور کے درمیان جب جنگیں شروع ہوئیں اور پنجاب کی حکومت کمزور پڑ گئی۔ اس وقت راجہ اتھک پال نے جو راجہ سے پال کا بیٹا تھا، راجگان ہند کا لشکر کثیر لے کر لاہور پر چڑھائی کر دی۔ چھ ماہ تک محاصرہ قائم رہا۔ جب غزنی سے فرج نہیں آئی تو مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ہزاروں مسلمان شہید کر دیے گئے۔ دو ہزار لاشیں صرف ایک جگہ

دفن ہوئیں۔ تمام مسجدیں گرا دیں گئیں اور اس جگہ پر مندر بنادے گئے۔

اجبر اور جہانگیر کے زمانے میں بھی ہندو مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو عام طور پر تباہ و برباد کرتے تھے۔ بقول مجدد الف ثانی "مخار ہند بے خوف و خطر مساجد شہید کرتے اور اپنے مندر ان کی جگہ بناتے۔ اسی طرح رانا کھنہ نے جب سلطان بھرات سے ناگور کسی تزییب سے حاصل کر لیا تو اس نے فیروز خان کی بلند مسجد کے ساتھ ہی شہر کی تمام مسجدوں میں آگ لگا دی اور قلعہ کو تباہ کر کے ویران کر دیا۔ ساتھ ہی شمس خان کے تمام خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ خود چند و ناتھ سرکار کا یہ اعتراف ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ست نامیوں نے کرنول پر قبضہ کر لیا تو شہر کو جی بھر کر لوٹا اور وہاں کی تمام مساجد میں آگ لگا دی۔ اسی زمانہ میں نمازگیم سنگھ نے بھرات میں بہت سی مسجدوں کو مسمار کیا۔ شیواجی نے بھواڑی اور شولا پور میں مسجدوں کو نقصان پہنچایا۔ بہادر شاہ اول کے بعد جو دھپور میں راجہ جونت سنگھ کے بیٹے اجمیت سنگھ نے جو دھپور کی بہت سی مسجدیں گرا کر ان کی جگہ مندر بنوادیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد تو بڑی تعداد میں شمالی ہندوستان میں مسجدیں مسمار گئیں۔ تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب، ہریانہ اور دہلی کی تقریباً نو ہزار مسجدیں تباہ و برباد کی گئیں یا ان پر حکومت یا سکھوں کا غاصبانہ قبضہ ہے۔ خود دہلی میں برنی ٹیٹی کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۷۶/۱۷۷۱ء میں مشہور مسجدیں ہیں جو یا تو ہندوؤں یا حکومت کے تصرف میں ہیں۔ ان میں تبدیلی کر کے ان پر

غاصبانہ قبضہ بنائے رکھا گیا ہے۔ اسی طرح مغربی بنگال اسمبلی میں خود صوبائی حکومت نے ۱۹۷۹ء میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اب بھی صرف کلکتہ میں ۵۹ مسجدیں ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں۔ باہری مسجد کی شہادت کے واقعہ کو ابھی بہت زمانہ نہیں گزرا ہے جب کہ ریاستی حکومت کی ایماء و شہادت اور مرکزی حکومت کی چشم پوشی کے باعث پولیس اور فوج کی موجودگی میں باہری مسجد کے ساتھ ہی اویڈیو کی سات دوسری مسجدوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۶ء میں بھارت کی بی۔ جی۔ پی سرکار کے اشارہ پر سینکڑوں مسجدوں، درگاہوں اور مزارات کو نقصان پہنچایا گیا۔ اکثر میں مورتیاں نصب کر دی گئیں یا اس پر میوٹیوں والوں نے راتوں رات سرک بنادی۔ ان لوگوں نے سینکڑوں سال سے موجود احمد آباد میں اردو کے مشہور شاعر و دینی اور بڑوہ میں ساڑھے تین سو سال سے موجود حضرت رشید الدین چشتی کے مزار کو بھی نہیں بخشا جس کے زائرین میں بڑی تعداد ہندوؤں کی تھی۔

اورنگ زیب اور سکھ

جہاں تک اورنگ زیب کے سکھوں سے تعلقات کا سوال ہے تو سب سے پہلے میکانٹ نے اپنی کتاب سکھوں کی تاریخ میں پہلی بار ۱۹۰۵ء میں تحریر کیا ہے کہ اورنگ زیب نے گرو جتج بہادر کو سزائے موت دی تھی لیکن میکانٹ سے قبل اس طرح کا کوئی ثبوت یا تذکرہ موجود نہیں۔ بلکہ ایک دوسری کہانی ملتی ہے۔ جہاں مٹی سنگھ کی کتاب بھکت رتنا دی جو کہ پہلی بار ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی واضح طور پر لکھا ہے کہ

رہتا۔ چوبیس گھنٹہ میں وہ صرف تین گھنٹہ سوتا۔ کام لینے میں بڑا سخت گھیر تھا۔ خود اپنے اوپر بھی اور دوسروں کے اوپر بھی۔ وہ اپنی وسیع سلطنت کے تمام کاموں کی خود نگرانی کرتا تھا اور اپنی تمام فوجی جموں کی قیادت بھی خود کی۔ وہ ختم نہ ہونے والی اترجی اور غیر متزلزل ارادے کا ممالک تھا۔“

(جاری ہے.....)



اللہ کی نافرمانی اور اس سے سرکشی و بغاوت، یہ وہ شیعہ اعمال ہیں جن کے باعث لوگ اللہ کے غضب، ذلت و مسکنت اور شہمت و ہزیمت کے مستحق بنتے ہیں، اور آج دنیا میں بکھری ہوئی لسی مسلمانوں میں۔ جو کئی حق کے بغیر خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ شیعہ اعمال و افعال مفسدہ میں پائے جاتے ہیں۔ انہی اعمال اور حرکات کے ساتھ وہ آج اپنے رب کے سامنے آتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ آبی ذلت و مسکنت اور شہمت و ہزیمت سے دوچار ہوتے ہیں جو اللہ نے یہود کے لیے مقدر کی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں پھر ہم مغلوب کیوں ہیں؟ لیکن یہ بات کہنے سے قبل انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ”نور اسلام“ کیا ہے اور کون لوگ حقیقتاً ”مسلمان“ ہیں اس کے بعد انہیں اس طرح کی بات کہنی چاہیے۔

(سید قطب شہیدؒ)



نبی خاں، غنی خاں اور جنرل سید بیگ وغیرہ نے بڑے نازک موقعہ پر گروگوبند سنگھ کی مدد کی تھی۔ مزید یہ کہ اپنی وفات سے قبل گروگوبند سنگھ مغل فوج میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔ جانشینی کی لڑائی میں سکھوں نے گروگوبند سنگھ کی قیادت میں شہزادہ معظم (بہادر شاہ اول) کا ساتھ دیا تھا۔ اسی دوران جب کسی پٹھان نے ذاتی عداوت کے باعث انہیں زخمی کر دیا تو اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ اول نے اپنا خاص طیب ان کے علاج کے لیے بھیجا۔

”اورنگ زیب کے ہاتھوں ایک ایسی سلطنت کی باگ ڈور رہی جس کا بقیہ آبادی اور دولت کے حساب سے کوئی ثانی اور مثل اس وقت کی عالمی سیاست میں نہیں تھا۔ اپنے کھٹن فرائض کو ادا کرنے میں اس نے جس غلوں، انہماک، عزم اور استقلال کا ثبوت پیش کیا اس کی مثال نہیں۔ ذاتی زندگی میں وہ ایک پھیلے آدمی کا نمونہ تھا۔ وہ ایٹھائی حکمرانوں اور شاہزادوں کی عام برائیوں سے پاک تھا۔ وہ مادہ بلکہ خشک زہادانہ زندگی بسر کرتا۔ وہ کھانے پینے، پوشاک و لباس اور زندگی کی تمام ضروریات کے معاملہ میں بہت محتاط تھا۔ انتظام سلطنت کے بھاری کاموں میں مشغولیت کے باوجود اپنے ذاتی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے قرآن شریف کی نقل اور ٹوپی تیار کر کے روپیہ حاصل کرنے کا وقت نکال لیا کرتا۔ وہ اپنے روزانہ کے معمولات پر سختی سے عمل پیرا

ایک سکھ نے ان کی اپنی اجازت سے ان کا سر قلم کر دیا۔

اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ: ”اورنگ زیب کو اپنی کرامات دکھانے کی خاطر انھوں نے کہا کہ ایک ایسی تعویذ ان کے پاس موجود ہے کہ جو کوئی بھی اسے اپنے پاس رکھے گا تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس تعویذ کو خود ہی اپنی گردن میں باندھ کر انھوں نے آزمایا۔ ان کے اٹھارہ پدان کے ایک چیلنے نے گردن پر تلوار ماری۔ سرتن سے جدا ہو کر ایک طرف جا گرا۔“

اس واقعہ کے راوی وہ لوگ ہیں جو ان کی خدمت میں اکثر ہا کرتے تھے لیکن جب دوبارہ ۱۹۱۲ء میں جنگ رتناوئی شائع ہوئی تو یہ واقعہ حذف کر دیا گیا تھا کیونکہ اس سے قبل بیگانہ کی کہانی اچھی تھی۔ گیان سنگھ کی تصنیف پتھہ پراکاش کی پہلی (۱۸۷۹ء) اور دوسری (۱۸۸۳ء) اشاعت میں اورنگ زیب کے ذریعہ گروتیج بہادر کی شہادت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن تیسری اشاعت جو کہ میکانک کی کتاب کے بعد شائع ہوئی ہے عبارت موجود ہے کہ گرو جی سے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا گیا اور انکار کرنے پر برسر عام انہیں قتل کر دیا گیا۔ کھانی دیے راج جو ۱۸۱۳ء اور ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی اس میں بھی اورنگ زیب کے ذریعہ گروتیج بہادر کی سزائے موت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

سکھوں کے دوسرے گروگوبند سنگھ کو بھی اورنگ زیب کے صوبیداروں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا لیکن اس کے سیکڑوں مددگار مسلمان تھے۔

ولاء اور براء (محبت اور نفرت کا اسلامی فلسفہ)

ابوصدق مدنی

کہ ایک چیز ملتی ہے وہ ہے ان کی مدد اور نصرت۔ یہ منع ہے۔ تو اس تاویل کے بارے میں عرض کرنا ہے کہ موالات ایک عمومی لفظ ہے جس میں محبت اور نصرت دونوں عناصر شامل ہیں۔ محبت بھی موالات ہے اور نصرت بھی موالات ہے اور موالات کی ممانعت ان دونوں کی ممانعت بھی ہے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ موالات تجنی ہوگی جب کہ کسی کے لیے محبت اور نصرت دونوں کے بذبات رکھے جائیں انہیں یہ قرآنی آیت دیکھنی چاہیے جس میں ملت کفر سے محبت سے خاص طور پر روکا گیا ہے۔

هَآئِنَّمْ اَوْلَآءُ فَجَنَّبُوْنَهُمْ وَلَا يُجَنَّبُوْكُمْ
وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقَوْكُمْ قَالُوْا
اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْنِكُمُ الْاِتْمَاعُ مِنَ
الْغَيْظِ (آل عمران: ۱۱۹)

”تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو ہتھتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کی عظمت کو) مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو

یہ سب کچھ ان کفار کی بابت ہے جو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کریں۔ ان کے علاوہ دیگر کفار اللہ کے دشمن نہیں ہوتے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی کتاب کو سمجھ کر بڑھنے والا کوئی شخص ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ قرآن تو ہر کافر کو اللہ کا دشمن قرار دیتا ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ (البقرة: ۹۸)
”تو سہمہ دو کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔“
اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا
(النساء: ۱۰۱)
”بے شک کفار کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔“

اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کچھ کا دشمن ہے اور کچھ کا نہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ اللہ نے کفار کی موالات سے روکا ہے۔ مگر ایسی تمام آیات جن میں موالات کفار کی نہیں وارد ہوئی ہے، ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حملہ کفار سے محبت نہیں کی جائے گی اور ان سے دشمنی رکھی جائے گی۔ موالات میں مجرد محبت یا دشمنی سے آگے بڑھ

ولاء وبراء کے شرعی تصور کو مغربی لبرل ازم کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ہمارے مفکرین کی تحریروں میں بہت سی شرعی نصوص و تصورات کی آڑھی تریچی بنا دی گئی ہے۔ یہاں بعض تناویلوں پر گفتگو انشاء اللہ مفید اور نتیجہ خیز رہے گی۔

ان حضرات کی طرف سے بار بار کہا گیا ہے کہ ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعدائے دین سے دشمنی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً سورہ محمدہ کی آیت میں کہا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ
وَعَدُوِّكُمْ اَوْلِيَاۤءَ ثَلُفُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ
وَقَدْ كَفَرُوْا وَاِمْا جَاءَكُمْ مِنْ الْحَقِّ.

(الممتحنہ: ۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔“

مگر یہ اور اس قسم کی آیات اور ان سے ثابت ہونے والا اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنے کا حکم،

تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔“

واضح رہے کہ یہ آیت معاذ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ایسی بات کہنے والا فقہاء کے اجماع کے خلاف بھی جانتا ہے جس کے یہ موجب کافر کی محبت و مودت بھی موائالت کے ضمن میں آتی ہے اور شرعاً ممنوع ہے۔ علمائے محققین نے بھی یہی بات تحریر فرمائی ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

”موالات کی اصل محبت ہے نہ ٹھیک ویسے ہی جیسے عداوت کی اصل نفرت ہے۔“ اصل الموالاتہ ہی المحبة کما ان أصل المعاداة البغض (جامع الراسل، ابن تیمیہ، تحقیق: محمد رشاد مصلح: ۲/۳۸۴)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں اقرار ہے کہ اللہ نے اپنے اور رسول پاک کے دشمنوں سے محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر اللہ اور رسول کا دشمن وہ کافر ہے جو محارب ہو۔ اس پر ہمیں عرض کرنا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی تحریف کرنے جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے:

يَخْلُقُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُضِئَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْ حَقَّ أَنْ يَظْهَرَ لَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا هُمُ الْبَاطِلِينَ. أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُمْ يُخَادِدُ اللَّهُ وَرَسُولَهُ فَأَنْ لَهُ نَارُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ (التوبة: ۶۳-۶۴)

”یہ لوگ تمہارے سامنے نہیں ٹھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ کیا انہیں معلوم نہیں

ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔“

یہاں جھوٹی قمیص کھانے والےعمارئین کفار نہیں تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اللہ اور رسول سے پیکار لینے والا بنایا۔ سورہ مجادلہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے حدود کا تذکرہ فرمایا، وہیں یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُخَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنُوا كَمَا عَنَتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (المجادلة: ۵)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جا چکے ہیں۔“

ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ کی حدود کو پامال کرنا محارب نہیں ہوتا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اللہ اور رسول کے ساتھ محاذ کے ہم معنی قرار دیا۔ اگر ہمارے منکرین کہتے ہیں کہ محاذ ہی محارب ہے تو یہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محارب سے کم درجے کی مخالفت کو محاذ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ محاذ کے

اندر ہر وہ قول و فعل شامل مانتے ہیں جس سے اللہ، اس کی کتاب، اس کے نبی یا اس کی اتاری شریعت کی بے حرمتی ہوتی ہو، تو شاید اس وقت روئے زمین پر کوئی کافر ایسا نہ ملے گا جو تعدد ازواج، مرد کی قومیت، گھروں میں مستورات کے محصور رہنے اور قتال و جہاد وغیرہ کے احکام کے تعلق سے دین حق کی بے حرمتی کا مرتکب نہ ہو رہا ہو۔ صلح پسند لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ کفار کے

ساتھ جس مواءت سے روکا گیا ہے وہ ان کافروں کے تعلق سے ہے جو محاذ کر رہے ہوں۔ اگر ہم ان سے کہیں کہ آج یہ متشرفین، سیاست دان، منکرین اور کافر معاشروں کے سربراہ اور وہ افراد جس طرح احکام شریعت کی اہانت و بے حرمتی کر رہے ہیں، حالانکہ وہ محارب نہیں ہیں، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جنگ نہیں چھیڑی ہے، کیا ان سے مواءت و محبت رکھنا جائز ہے؟ تب یہی لوگ اپنی بات کی تردید کرتے ہوئے کہیں گے:

”ہاں، کیونکہ وہ غیر محاربین ہیں، اس لیے ان کے ساتھ مودت رکھنا جائز ہے۔ اب وہ سچھے اپنی بیان کردہ علت یعنی محاذات سے معنی اہانت و اسانت کا تذکرہ نہیں کریں گے۔“

ہمارا مقصد یہ بتانا نہیں ہے کہ کفر اور محاذات ایک دوسرے کے مرادف الفاظ ہیں۔ بیٹیک محاذات مجرد کفر سے زائد ایک چیز ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے ”الصارم المسلمون“ میں بڑے اچھے انداز میں لکھا ہے۔ ہمارے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ محاذات بہر حال مجرد جنگ و قتال سے زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ایک قرآنی لفظ ہے۔

ان حضرات کی طرف سے ولاء و براء کے تعلق سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ دیکھیے شارع حکیم نے تنزیہ خاتون سے نکاح کی اجازت مسلمان مرد کو دی ہے اور زوجین میں مودت کے بغیر رضتہ ازدواج قائم نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ کافروں سے ایک گونہ مودت و محبت رکھنا جائز ہے، کیونکہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو اللہ کبھی تنزیہ خاتون کا نکاح مسلمان کے ساتھ جائز نہ کرتے۔

مگر ان لوگوں کا یہ استدلال قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثار صحابہؓ اور مذاہب اربعہ کے منطوق فقہی فیصلے کے خلاف ہے۔ یہ بات کہنے والا صرف ایک فرد ہی گننے کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ پورے ایک منہج اور طرز استدلال کا انکار کرتا ہے۔ وہ بدیہی اصولوں کو چھوڑتا ہے، اور استثناء اور احتمال کو ایک بنیادی اور عمومی قاعدے کی شکل دے دیتا ہے۔

کفار سے محبت کے جواز کے لیے یہ استدلال کہ اللہ نے نکاح تنہا یہ کو جائز رکھا ہے اور نکاح کا لازمہ مودت ہے، اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ تنہا یہ خاتون سے شادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نجات فطری اور تکوینی ہے جب کہ اللہ کا یہ حکم کہ ہر کافر سے بغض رکھا جائے یہ ایک شرعی و دینی حکم ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر شریعہ کو اس کی اجازت سے وقوع پذیر ہونے والے امور کو نیر کی بنیاد پر قابل اعتراض نہیں گردانا جائے گا۔

اسی طریقے سے استدلال کرنے والا وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف الطباع بنا کر پیدا کیا ہے اور ہمیشہ یہ اختلاف باقی رہے گا، اس لیے اتحاد و اتفاق کی بات کرنا یا مسلمانوں کو ایک ملت قرار دینا فضول ہے۔ ایسا کہنے والا ایک تکوینی امر کی بنیاد پر ایک شرعی حکم ٹھکرا رہا ہے، جو کہ غلط ہے۔ اسی طرح کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ہنگامہ خدا غلیظوں اور خطاؤں کے مرتکب ہوں۔ اس کے نبی ﷺ نے بتایا ہے کہ آدم کا ہر چہرہ خطا کا ہے۔ اس لیے اب کسی کو کہنا ہوں سے روکنے اور معاصی سے باز

رہنے کی تلقین کرنا عبث ہے۔ یہ بھی مندرجہ بالا استدلال کی طرح غلط ہے، ٹھیک اسی طرح یہ استدلال بھی غلط ہے کہ تکوینی فطری طور پر زمین کے درمیان جو محبت و انسیت پیدا ہوتی ہے اسے بنیاد بنا کر کفار سے کراہیت اور نفرت رکھنے کے شرعی حکم کو باطل کر دیا جائے۔

پھر یہ کس نے کہہ دیا کہ زمین کے درمیان دین کی بنیاد پر بے گناہی اور اجماعیت نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن هُنَّ آزُورُكُمْ وَ
أَوْلَادُكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (النساء: ۱۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے جو احتیاط کرو۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے زمین کے مابین دینی عداوت ہونے کے امکان کو ثابت کیا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم یہ لوگ کیوں اس آیت کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ آیت پکڑتے ہیں جس میں تکوینی اور جبلی محبت کی بات کہی گئی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لِيَتَسَكَنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً
وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔“

ہونا یہ چاہیے کہ دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر تدریجاً جائے۔ اس طرح صاف پتہ چل جائے گا کہ ایک جگہ تکوینی محبت مراد ہے اور دوسری جگہ

دین کی بنیاد پر بے گناہی کے امکان کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر زمین کے درمیان جس مودت کا ذکر ب و الحوالہ نے فرمایا ہے وہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ محبت کے مفہوم میں ہی ہو۔ اس سے مراد صلہ رحمی اور احسان و کرم کارو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس معنی میں مودت کا لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي
الْقُرْبَى (الشورى: ۲۳)

”اے نبی ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ قربت کے حقوق کی ادائیگی اور محبت ضرور چاہتا ہوں۔“

اس آیت کو میر میں نبی کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کفار قریش سے محبت کرے، بلکہ آیت کا منشا وہ ہے جو صحیح بخاری کی روایت میں صحابی علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے واضح کیا ہے کہ قریش کا کوئی بطن اور گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں آپؐ کی رشتہ داری تھی۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا:

”میرا تم سے مطالبہ بس یہ ہے کہ تم میرے اور تمہارے درمیان پاسے جانے والے قربت کے رشتے کو نبھاؤ۔“ [ان النسب: ۱۱۱] لیکن بطن من قریش إلا کان له فیہم قرابة فقال
إلا أن تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة [صحیح بخاری: ۴۸۱۸]

پھر اس لحاظ سے بھی غور کرنا چاہیے کہ انسان کو جس قدر محبت اور مولات اپنے حقیقی والد اور بھائیوں سے ہوتی ہے اتنی منکوحہ بیوی سے نہیں ہوتی، اس کے باوجود ہم پاستے ہیں کہ اللہ رب العزت نے

معادہ کافر باپ اور بھائی کے ساتھ موالات کا رشتہ منقطع فرما دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آتِيَاءَ كُفْرٍ
وَإِنْخُوا أَنْكُمُ الْإِنْيَاءَ إِنْ اسْتَخْبُوا الْكُفْرَ عَلَيَّ
الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَّخِذْهُمْ فَهُوَ كَالْمُشْكِ هُمُ
الظَّالِمُونَ (النوبة: ۲۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق اور ولی نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر تو بیخ دیں۔ جو تم میں سے ان کو اپنا ولی بنا لیں گے وہی ظالم ہوں گے۔“

پھر اہل علم نے بتا دیا ہے کہ دونوں شرعی حکموں کا محل الضابط الگ الگ ہے۔ معادہ و محاب مخار سے قلمی عداوت بر بنائے دین و ایمان ہوتی ہے جب کہ ذہنی عداوت کے درمیان پیدا ہونے والی مودت فطری اور ذہنی ہوتی ہے اور دونوں کا اجتماع کسی ایک شخص کے اندر ہونا محالات میں سے نہیں ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ناممکن ہے کسی انسان کے اندر محبت اور بغض دونوں یکجا ہو جائیں، اسی لیے جب تک اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کتابتہ بیوی سے محبت کرے اس وقت تک اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے ذہنی عداوت نہ رکھے۔ یہ بات انتہائی درجے کی غیر عملی اور سطحی بات ہے۔ تجربہ اس کے خلاف شاید ہے کہ وہ دو اپنیے کو ہم ناپند بھی کرتے ہیں اور پند بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ذاتی کے لحاظ سے ہمیں بری لگتی ہے اور اپنی افادیت کے لحاظ سے اچھی لگتی ہے۔ علمائے کرام نے ایک شخص کے اندر محبت اور نفرت کے اجتماع کو اسی مثال کے

ذریعے بار بار اپنی کتابوں میں سمجھایا ہے۔ شرعی امور میں اس کی نظیر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ قتال کے اندر دل کو طبعی انقباض اور ناپندیدگی ہوتی ہے کیونکہ اس سے انسان بے آرمی اور جانی خطرات سے دو چار ہوتا ہے مگر اس کے اندر جو عظیم الشان ثواب رکھا گیا ہے اس کی بنیاد بد اس سے شرعی محبت بھی ہوتی ہے۔ قتال سے انسان کی طبعی کراہیت خود قرآن سے ثابت ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ
وَعَسَى أَنْ تَكُونُوا شِينَاءً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
(البقرة: ۲۱۶)

”تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔“

مگر قتال سے بر بنائے شرع محبت بھی قرآن سے ہی ثابت ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ
قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَ
أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا
يُنْفِقُونَ (النوبة: ۹۲)

”اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور مال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔“

پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومنین بقتلنا سے

طبعیت قتال سے بچتے ہیں اور اسے ناپند کرتے ہیں۔ لیکن پھر انہی اہل ایمان کے بارے میں دوسری آیت میں بتایا گیا کہ انہیں شریک جہاد نہ ہونے کی حسرت ایسی ہوتی ہے کہ زار و قطار روتے ہیں۔ یہ جہاد و قتال سے ان کی محبت بقتلنا سے شرع و دین ہے۔ اب اگر کوئی اس بات کا انکار کرتا ہے کہ جنگ و قتال میں کوئی طبعی کراہت نہیں پائی جاتی تو وہ بر خود غلط ہے، اور اگر کوئی یہ انکار کرتا ہے کہ قتال سے شرعی محبت نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ابھی تک ایمان کا مطلب ہی نہیں معلوم ہو سکا۔ جب محبت اور نفرت کا اجتماع ایک محل پر ممکن ہے تو آخر ان کی یکجائی ایک ایسے مسلمان شخص کے اندر کیوں ناممکن ہو سکتی ہے جو کسی کتابتہ یا خاتون کا شوہر ہو۔

ٹھیک اسی طرح ہر انسان کے دل میں قید خانے سے فطری بے زاری اور تشریبا جاتا ہے۔ مگر حضرت یونسؑ کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک شرعی مصلحت کی خاطر قید خانے کے تین اپنی پندیدگی اور ترجیحی رویے کا اظہار کیا حالانکہ یقین ہے کہ طبعی طور سے وہ اسے ناپند ہی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

قَالَ رَبِّ الْمُسْخِنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا
يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (يوسف، ۳۳)

”یونسؑ نے کہا: اے میرے رب، قید مجھے محبوب ہے نہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ تمہیں مجھ سے چاہتی ہیں۔“ (جاری ہے.....)



صلیبی جنگوں سے امریکی ”وار آن ٹیر“ تک

شاہنواز فاروقی

موجود تھے۔ مسلمان چاہتے تو ماضی کا حساب برابر کر سکتے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے معمولی سی رقم کے عوض عیسائیوں کو بیت المقدس سے جانے کی اجازت دے دی۔ بعض عیسائی اتنے غریب تھے کہ وہ اپنی رہائی کے لیے معمولی سی رقم بھی ادا نہ کر سکتے تھے، چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور اس کے عزیزوں نے اپنی جیب خاص سے ان عیسائیوں کی رقم ادا کی۔

عیسائیوں نے صرف اسلام کو شیطانی مذہب قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی شان میں بھی گستاخی کی اور آپؐ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اسلام آسمانی مذہب نہیں ہے بلکہ معاذ اللہ رسول اکرمؐ نے کچھ تو ریت سے لیا اور کچھ انجیل سے لے لیا، اور ان کو ملا کر قرآن گھڑ لیا۔ رسول اکرمؐ کی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں عیسائیوں کی پوزیشن آج بھی یہ ہے کہ وہ آپؐ کو رسول نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد تاریخ کی عظیم شخصیت ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔

مغربی اقوام نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دوسری یلغار نوآبادیاتی دور کی صورت میں

مطابقت ہوا، اور مغربی اقوام نے جو پایا، کیا، لیکن ان جنگوں کا اعتقاد مغرب کی خواہش کے برعکس مسلمانوں کی فتوحات پر ہوا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیبیوں سے نہ صرف یہ کہ بیت المقدس واپس لے لیا بلکہ وہ ان کو کھد بڑھا ہوا یورپ تک لے گیا۔ چنانچہ جو صلیبی جنگیں بھی مغربی اقوام کے لیے ایک ”امید“ تھیں، وہ بالآخر ان کے لیے ایک ”خوف“ بن گئیں۔ صلیبی افواج نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی پہلی یلغار میں مسلمانوں پر اتنے ظلم کیے کہ ان کو یاد کر کے آج بھی روٹنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ صلیبیوں نے صرف بیت المقدس میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کیا۔ مغربی مؤرخین نے لکھا ہے کہ صلیبیوں نے اس بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام کیا کہ بیت المقدس کی گلیاں خون سے بھر گئیں اور ان میں گھوڑے چلانا دشوار ہو گیا۔ لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا اس وقت بیت المقدس میں ایک لاکھ عیسائی

ایک ہزار سال کی مدت کم نہیں ہوتی۔ ایک ہزار سال میں زندگی بدل جاتی ہے، انسان تبدیل ہوجاتے ہیں، نظریات و خیالات میں انقلاب آجاتا ہے۔ مگر مغرب گزشتہ ایک ہزار سال سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ہی حال میں ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس عمل کی ابتدا ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم کی اس تقریر سے ہوئی جس میں اس نے کہا کہ اسلام ایک شیطانی مذہب ہے اور میرے قلب پر یہ بات القائی گئی ہے کہ عیسائیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس شیطانی مذہب اور اس کے ماسختہ والوں کو فنا کر دیں۔ پوپ اسلام کے خلاف صرف تقریر کر کے نہیں رہ گیا، اس نے یورپی اقوام کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع اور متحد ہونے کی تلقین کی۔ پوپ کی تلقین بہت جلد رنگ لائی، چنانچہ ۱۰۹۹ء میں تمام یورپی اقوام ایک صلیبی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئیں اور ان صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا جو دو سو سال جاری رہیں۔ ان صلیبی جنگوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کا آغاز مغربی اقوام کی مرضی کے

کی تمام یورپی اقوام اپنے اپنے جغرافیے سے نکلیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے عالم اسلام پر قابض ہو گئیں۔ اس نوآبادیاتی بیچارگی پشت پر سفید فام آدمی کے بوجھ کا تصور موجود تھا۔ اس تصور کا مفہوم یہ تھا کہ دنیا میں مہذب تو صرف سفید فام اقوام ہیں۔ باقی یعنی اقوام ہیں وہ غیر مہذب ہیں، چنانچہ سفید فاموں کا فرض ہے کہ وہ غیر مہذب اقوام کو مہذب بنائیں۔ ان کو مہذب بنانے کی ایک صورت تھی کہ ان کو عیسائی بنایا جائے۔ ان کو مہذب بنانے کی دوسری صورت تھی کہ انہیں مغرب کا مقلد محض بنایا جائے۔ چنانچہ مغربی اقوام نے مسلمانوں پر اپنا مذہب مسلط کیا۔ اپنے علوم و فنون مسلط کیے۔ اپنے قوانین ان پر رکھوئے۔ اپنا عدالتی نظام ان کے ہاں رائج کیا۔ مغرب کے دانشور کیرلنگ نے خیال ظاہر کیا کہ مشرقی آدھا شیطان ہے اور آدھا بیچہ ہے۔ وہ آدھا شیطان اس لیے ہے کہ وہ عیسائی نہیں ہے۔ آدھا بیچہ اس لیے ہے کہ وہ مغرب کی طرح عقل استعمال نہیں کرتا۔ وہ عقل پرست نہیں ہے بلکہ وہ انہوں میں مبتلا ہے۔ مغرب کو مشرق سے اتنی نفرت ہے کہ مغرب کے ایک دانش ور نے کہا ہے کہ عربی اور فارسی کا سارا علم مغربی کتابوں کے ایک شیلٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مغرب کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تیسری بیچارہ نائن ایون کے بعد سامنے آئی۔ مغرب کہنے کو تو نائن ایون کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے لگا تھا مگر درحقیقت اس کا ہدف اسلام، مسلم تہذیب اور مسلمان تھے۔ اس کا اندازہ نائن ایون کے بعد مغرب کے سیاسی

رہنماؤں کے بیانات سے لگایا جاسکتا ہے۔ امریکہ کے صدر جارج بش نے نائن ایون کے بعد امریکی قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں ”کروئیڈ“ کی اصطلاح استعمال کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کروئیڈ کا آغاز کر دیا ہے۔ کروئیڈ کا ترجمہ صلیبی جنگ ہے۔ یعنی امریکہ کے صدر نے نائن ایون کے بعد مسلمانوں کے خلاف شروع ہونے والی مہم کو کروئیڈ یا صلیبی جنگ کا نام دیا۔ مسلم دنیا میں اس اصطلاح پر اعتراض ہوا تو ہمدیا بحیا کہ جارج بش کی زبان نہ کھل گئی۔ یہ ایک غلط بیانی تھی۔ جارج بش فی البدیہہ تقریر نہیں کر رہے تھے، وہ لکھی ہوئی تقریر کر رہے تھے، اور اس پر انہوں نے اس اصطلاح کو استعمال کیا۔ جارج بش کے بعد اٹلی کے وزیر اعظم سیلو یوربرسکونی میدان میں اترے، انہوں نے اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر ہے، اور اس نے جس طرح کیوں زہر شکت دی ہے اسی طرح وہ اسلامی تہذیب کو بھی شکت سے دوچار کرے گی۔

مسلمانوں کا کوئی ترجمان ہوتا تو وہ اٹلی کے وزیر اعظم سے پوچھتا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے والوں کی زبان پر مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کا موازنہ کیوں آگیا ہے؟ اور وہ مغربی تہذیب کے ہاتھوں اسلامی تہذیب کی شکت کیوں چاہتے ہیں؟ مگر چونکہ امت مسلمہ کا کوئی ترجمان ہی نہیں اس لیے اٹلی کے وزیر اعظم مغرب کے لوگوں کو جو پیغام دینا چاہتے تھے وہ دے دیا گیا۔ مگر اس کے بعد اس سے بھی اہم

بیان سامنے آیا۔ امریکہ کے صدر جارج بش نے انارنی جنرل ایٹش کرافٹ نے دو شخصوں ڈی سی میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عیسائیت کا خدا اسلام کے خدا سے برتر ہے، اس لیے کہ عیسائیت کا خدا ایسا خدا ہے جس نے انسانیت کی نجات کے لیے اپنے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ کو پھانسی پہ چڑھا دیا۔ اس کے برعکس اسلام کا خدا اپنی مخلقت کے اظہار کے لیے جہاد اور شہادت کی صورت میں مسلمانوں سے قربانی طلب کرتا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی ترجمان ہونا تو ایٹش کرافٹ کو یاد دلانا کہ آپ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف جنگ کرنے نکلے ہیں، عیسائیت کے خدا کو اسلام کے خدا سے برتر ثابت کرنے کی ذمہ داری آپ کی نہیں ہے۔ مگر مسلمانوں کا کوئی ترجمان ہی نہیں، اس لیے ایٹش کرافٹ اہل مغرب تک جو پیغام پہنچانا چاہتے تھے وہ پہنچا دیا گیا، اور امت مسلمہ کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ لیکن اس واقعے کے بعد اس سے بھی اہم بات ہوئی، یورپ میں ناٹو کی فورسز کے سابق کمانڈر جنرل کلارک نے نی ٹی سی ورلڈ کو انٹرویو دیتے ہوئے صاف کہا کہ ہم اسلام کو Define کرنے نکلے ہیں۔ طے یہ کرنا ہے کہ آیا اسلام ایک پڑامن مذہب ہے عیسما کہ مسلمان کہتے ہیں، یا اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماسنے والوں کو تنقید پر آکسانا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ مغرب نائن ایون کے بعد صرف بیانات تک محدود رہا۔ اس نے افغانستان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا، عراق کی اینٹ

باوجود اسلام مغرب میں لاکھوں مقامی باشندوں کو
مسلمان بنا چکا ہے۔ مغرب ان تمام حقائق کو
دیکھتا ہے تو وہ اسلام اور مسلمانوں سے خوف محسوس
کرتا ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی
جدوجہد کو اور تیز کر دیتا ہے۔

●●●

فارم نمبر چار (4) Form

ماک :	شیخ شارح چاند
قومیت :	ہندوستانی
پتہ :	پہلامنزل، سیرا پارٹمنٹ کے سامنے سجاش چوک آکولہ۔
پر پتر :	شیخ شارح چاند
قومیت :	ہندوستانی
پتہ :	پہلامنزل، سیرا پارٹمنٹ کے سامنے سجاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر :	شیخ شارح چاند
قومیت :	ہندوستانی
پتہ :	پہلامنزل، سیرا پارٹمنٹ کے سامنے سجاش چوک آکولہ۔
وقف اشاعت :	ماہانہ
مقام اشاعت :	پہلامنزل، سیرا پارٹمنٹ کے سامنے سجاش چوک آکولہ۔
میں پر پتر، پہلے، ایڈیٹر، شیخ شارح چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔	
دستخط :	شیخ شارح چاند
	❦❦

ناممکن ہے۔ مگر ۲۰ ویں صدی کے بڑے بڑے واقعات نے اہل مغرب کی دانش وری کا پول کھول دیا۔ اقبالؒ مولانا مودودیؒ اور حسن البناؒ کی فکھ نے پوری مسلم دنیا میں بیداری کی لہر برپا کر دی، ایران میں دو ہزار سال پرانی بادشاہت کا تختہ الٹ گیا اور وہاں مذہب کی بنیاد پر انقلاب برپا ہو گیا۔ اس انقلاب کے بارے میں مغرب کے دانش وروں نے فرمایا کہ اسلام ڈنڈے کے زور پر اقتدار میں آیا ہے، وہ جمہوری طریقے سے معرکہ سر نہیں کر سکتا۔ مگر الجزائر، مصر، ترکی، فلسطین اور تیونس میں اسلامی تحریکوں نے ووٹ کی طاقت سے برج الٹ کر دکھا دیے۔ جہاد کا ادارہ عرصے سے غیر متحرک تھا اور عام خیال یہ تھا کہ جہاد کا زمانہ گزر چکا ہے، مگر افغانستان میں سوویت یونین اور امریکہ کے خلاف جہاد کا ادارہ اس طرح متحرک ہوا جیسے وہ کبھی غیر متحرک ہوا ہی نہیں تھا۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ جہاد اور شوق شہادت کی برکت سے افغانستان میں وقت کی دو سپر پاورز کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دو سپر پاورز کو مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے بہترین زمانے میں گرایا تھا، یا اب انہوں نے اپنے بدترین زمانے میں دو سپر پاورز کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان آج بھی اسلام کو اڑھنا بچھونا نہیں تو معجزات رونما ہو سکتے ہیں۔ مغرب کے سامنے یہ تجربہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے پاس سیاسی طاقت ہے نہ عمر کی طاقت ہے، نہ ان کے پاس سائنس ہے، نہ ٹیکنالوجی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اخلاق اور کردار کی دولت بھی نہیں ہے، مگر اس کے

سے اینٹ بجا دی۔ اس نے جگہ دیش میں جماعت اسلامی پر پابندی لگوا دی۔ شام میں بشارالاسد کو اس لیے گرنے نہیں دیا کہ اس کے گرنے سے بنیاد پرست اقتدار میں آجاتے۔ اس نے مصر میں صدر مرسى کی حکومت کا دھڑن تختہ کر دیا۔ لیبیا میں انتشار برپا کر دیا۔ سوڈان میں حسن ترابی کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر جنرل بشیر کو جیل میں پھینچا کر دم لیا۔ اس نے تیونس میں راشد الغنوشی کو ریاست اور مذہب کو الگ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس نے الجزائر میں اسلامی فرنٹ کی انتخابی فتح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور الجزائر کی بر معاش فرج کے ذریعے وہاں غارتگری کرادی۔ اس نے فلسطین میں اسرائیل کو مسلمانوں پر جبر میں اضافے پر اکسایا۔ سوال یہ ہے کہ آخر مغرب کو اسلام اور امت مسلمہ اتنی پابند کیوں ہے؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام عیسائیت سے تقریباً ۴۰۰ سال بعد منظر پر طلوع ہوا، مگر اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اڑھئی سے زیادہ دنیا کو فتح کر لیا۔ اسلام کی پیش قدمی اتنی برق رفتار ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مغرب کے لیے اسلام کی یہ پیش قدمی ناقابل قبول ہے اور وہ اس حوالے سے اسلام سے حمد محسوس کرتا ہے۔

۲۰ ویں صدی کے آغاز میں مغربی دانش ور کہا کرتے تھے کہ اسلام بلاشبہ بڑا مذہب ہے مگر وہ دنیا کو جو کچھ دے سکتا تھا، دے چکا، اب اس کے پاس دنیا کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مغربی دانش ور خیال ظاہر کرتے تھے کہ اسلام اب کوئی انقلابی قوت نہیں ہے اور اس کا احیاء

عورت سیرت رسول کے آئینے میں

سریرہ حمیدہ فلاہی

عورت وہ عظیم ہستی ہے جس سے نسلیں پروان چڑھتی ہیں۔ اس جہاں کی تمام عنائیاں اسی کے دم سے ہے۔ لیکن جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے۔ کہیں وہ خادمہ اور لولہ نڈی بنائی گئی تو کہیں حیوانی خواہشات کا کھلونا بنا کر اس کی عورت و توقیر کو نیلام کیا گیا۔

تہذیب یافتہ کئی جانے والی پچھلی قوموں میں سماجی حیثیت سے عورت کی حالت بہت پرست تھی، ضرورت پڑنے پر اسے مہاجنوں کے یہاں رکھا جاسکتا تھا۔ یونان میں عورت کی حیثیت ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق کی تھی۔ رومیوں کے یہاں عورت کی کچھ بھی قدر و قیمت نہ تھی۔ اس کو گناہ کی ماں اور ہدی کی جڑ قرار دیا جاتا تھا۔ معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ سمجھا جاتا تھا۔

ہندوستان بھی صدیوں سے عورتوں کے سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔ کہیں وہ داسی بنائی گئی تو کہیں اسے شوہر کی چتا پر جھینٹ چڑھایا گیا تو کہیں اسے وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا۔

عرب کی اس سے بھی خراب حالت تھی۔ وہاں عورتوں کا وجود ناندان کے لیے مار بکھا جاتا تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل عورت انتہائی مظلومیت اور ذلت کی زندگی گزارتی تھی۔ اس کے پیدا ہوتے میں زندہ دگر گرد دیا جاتا تھا۔ قرآن عربوں کی اس جاہلی ذہنیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، ارشاد باری ہے:

وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيمٍ. يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرُوهُ أَيَسْكَبُ عَلَيَّ هُونًا مِّمَّا يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (النحل: ۵۸/۵۹)

”ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا پہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا سٹی میں دیدارے، آہ! کیا یہی فیصلے کرتے ہیں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

”وَ إِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ. بِأَيِّ ذَنْبٍ

فُتِلَتْ“ (التکویر: ۸-۹)

”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی۔“

اسلام آنے کے بعد عورت پر ہونے والے تمام مظالم کا خاتمہ ہوا۔ اس نے عورت کی حقیقی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اسے عورت و شرافت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اسلام ہی وہ فطرت ہے جس نے عورتوں کو سارے حقوق دیئے اور یہ بتایا کہ وہ بھی معاشرے کا حصہ ہیں، چنانچہ عرب میں اسلام آنے کے بعد نبی رحمت محمد مصطفیٰ کی شکل میں عورتوں کو ایک ایسا رحیم و شفیع مامی اور محافظ مل گیا کہ اگر ان پر ذرا سی بھی زیادتی ہوتی تو بلا تکلف حضور کے سامنے اپنی شکایات لے کر جاتیں، اس وجہ سے لوگ کسی قسم کی تکلیف دینے سے ڈرتے تھے کہ کہیں یہ آپ کے پاس شکایت نہ لے کر پہنچ جائیں۔

آپ نے عورتوں کو بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کے حقوق متعین کیئے اور ان کے ساتھ الفت و محبت سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کی۔ رسول اللہ نے بیٹیوں کے ساتھ الفت و محبت، ان

آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آپ کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھیجتے۔

اسی طرح اسلام نے مہر کو بیوی کا حق بنایا اور اس کی مکمل ادائیگی کا حکم دیا۔

اسلام نے بیوی کو شوہر کے گھر اور بچوں کا گھربان بنایا، ساتھ ہی شوہر پر معروف طریقے سے اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری ڈالی کہ جو تم کھاؤ وہ اسے کھلاؤ جو تم پہنو وہ اسے پہناؤ اور اس کے چہرے پر نہ مارو۔ (ابوداؤد)

آپ نے ہر طرح سے اپنے فائدہ کا خیال رکھنے والی مومنہ بیوی کو جنت کی بشارت بھی دی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ:

”جس مومنہ عورت نے اس حال میں وفات پائی کہ اس کے ایمانی کردار و عمل سے اس کا مومن شوہر خوش تھا تو وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔“ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

”عورت جب پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرے اور ماہِ رمضان کے روزے سے اہتمام سے رکھے اور اپنی ناموس و عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی معرفت میں اطاعت کرے تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔“

اسلام نے ماں کی حیثیت سے بھی عورت کو بلند مرتبہ دیا ہے جس کی مثالیں ہمیں آپ کی تعلیمات میں ملتی ہیں، جیسا کہ:

جب میں حضورؐ کی خدمت میں تشریف لاتی تو آپؐ احتراماً کھڑے ہو جاتے، میری بیٹائی چوستے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ آپؐ نے باپ کی نگاہ میں بیٹی کو صرف محبوب ہی نہیں بنایا بلکہ بیٹے کی طرح باپ کی جائداد سے حصہ بھی مقرر فرمایا۔ اسی طرح بہن کا بھی وراثت میں حصہ اسلام نے مقرر فرمایا۔

اسی طرح اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوی کے سب سے پہلے تاریخ میں اوجھا مقام عطا کیا۔ نبیؐ کا ارشاد ہے کہ:

”عورت اور شوہر مجھے محبوب ہے۔“ (مسند احمد) اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”نیک عورت دنیا کی سب سے بہتر متاع ہے۔“
زمانہ جاہلیت میں مرد کسرت سے نکاح کرتے تھے اور عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے بجائے انہیں غلام و ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ اسلام نے کسرت از دواج پر روک لگا دی اور زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کر کے اسے عدل و انصاف کے ساتھ مشروط کر دیا اور ان کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

”مومنوں میں کمال ایمان والا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ طلقِ احسن اور ملاطفت میں بہتر ہو اور میں اپنی ازدواجِ مطہرات کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔“ (مشکوٰۃ)

آپؐ کا نہ صرف اپنی بیویوں کے ساتھ یہ معمول تھا بلکہ ان کے قریبی رشتہ داروں اور سہیلیوں کے ساتھ بھی نرمی و مہربانی سے پیش آتے تھے۔ حضرت عبد بن جحش کے انتقال کے بعد

کی تعلیم و تربیت اور ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے کا درس دیا۔ لوگوں کو بیٹیوں سے نفرت و کراہیت کو یہ کہتے ہوئے غم خیم کہ ”میں بھی خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔“ ایک بار ایک شخص اپنے زمانہ جاہلیت کا قصہ نبیؐ کے سامنے بیان کرتا ہے کہ میری چھوٹی لڑکی تھی جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے اپنی بیٹی کو زندہ گاڑ دیا وہ ابا ابا کہہ کر پکارتی تھی اور میں اس پر مٹی اور ڈھیلے ڈالتا رہا، اس بے دردی کے واقعہ کو سن کر آپؐ نے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپؐ اتاروتے کہ دادھی مہارک تر ہوگی، آپؐ نے فرمایا:

”خدا کی قسم یہ بڑی قسامت تھی ہے جس کا دل رحم سے آشنا ہو وہ سختی رحم نہیں۔“

آپؐ نے فرمایا کہ:

”جس شخص نے تین بیٹیوں یا بہنوں کی پرورش کی، ان کو اچھا دیا سکھایا اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ محتاج نہ رہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے جنت واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اور اگر کسی نے صرف دو لڑکیوں کے ساتھ یہ حسن سلوک کیا تو کیا وہ بھی اس فضل کا مستحق ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

”ہاں دو پر بھی ایسا ہی ہے۔“

دوسری جگہ فرمایا کہ:

”جس کے یہاں لڑکی ہو وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کرے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے، تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔“

آپؐ کا اپنی بیٹیوں کے ساتھ یہ معمول تھا کہ آپؐ کبھی سفر پر جاتے تو حضرت فاطمہؓ سے ضرور ملاقات کرتے۔ حضرت فاطمہؓ خود فرماتی ہیں کہ

ماں میں۔ اس کے علاوہ اپنی ماں کے عزیز رشتے داروں سے بھی آپ کی بے پناہ محبت کا سراغ ملتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو ہر طرح سے حقوق عطا کئے ہیں چاہے وہ معاشی ہو، تمدنی ہو یا تعلیمی ہو اس کو مرد کے برابر سمجھا۔ وراثت میں ان کے حقوق متعین کئے۔ شوہر سے اس کا مہر دلویا۔ شوہر کے انتخاب میں اس کی رضامندی کو مقدم رکھا۔ اس کو دینی علوم سمجھنے کی پوری اجازت دی یہی نہیں بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی ایک عظیم انقلاب برپا کیا کہ اس کو ”دودا س“ اور لوڈی کے مقام سے اٹھا کر گھر کی ملکہ بنا دیا۔ ●●●

نے فرمایا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟ کہا ہاں وہ زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی خدمت کرو جنت ان کے پاؤں کے نیچے ہے۔ (ابن ماجہ)

ایک دفعہ آپ نے چار بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سب بڑا گناہ ماں کی نافرمانی کو قرار دیا اور فرمایا: تمہارے رب نے ماں کی نافرمانی کو تم پر حرام قرار دیا ہے۔ ابو الطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو مقام ہرانہ میں دیکھا کہ آپ ﷺ گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا دی جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آپ کی رضائی

”ایک شخص نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو رسول اللہ نے فرمایا: تیری ماں، پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں، پھر اس نے تیسری مرتبہ پوچھا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں، پھر جب چوتھی مرتبہ اس نے دریافت کیا کہ پھر کون؟ تو آپ نے فرمایا: تیرا باپ، اس کے بعد جو اس سے قریب ہو۔“ (متفق علیہ)

اسی طرح ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میں نے جہاد میں شرکت کا اردہ کیا ہے اور اس سلسلے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں، آپ



(بقیہ صفحہ ۲۰ کا)

- (۲) پانچ سال کی عمر کے لڑکے بھی ٹیچر کا پہرہ پہننے سے عاری ہوتے ہیں، اس لیے ان کی اصلاح کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔
- (۳) لڑکوں کی مکانی یادداشت (Spatial Memory) لڑکیوں کے مقابلے میں ۴ سال آگے (Advanced) ہوتی ہے۔
- (۴) لڑکوں کی وقت سماعت لڑکیوں کے مقابلے میں چار گنا کم ہوتی ہے۔ اس لیے لڑکوں کو استاد کی اوجھی آواز اور ڈانٹ ڈپٹ ان کا ذہن برباد رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔
- (۵) اپنی جارحانہ اور متحرک طبیعت کی وجہ سے لڑکوں کو کلاس میں تک کر بیٹھنے اور توجہ مرکوز کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ نتیجتاً اساتذہ انہیں (Attention Defecit Syndrome-ADD) کا مہلک قرار دے کر انہیں ritalin جیسی ادویات دینا شروع کر دیتے ہیں۔



(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

آسمان کی طرف اشارہ کیا اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہئے ”اللہم اشہد“ اسے اللہ تو گواہ رہنا۔ اور آخر میں یہ کہا ”قلیبلیع المشاہد العائب“ تم میں جو لوگ موجود ہیں میرا پیغام ان تک پہنچا دین جو لوگ موجود نہیں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن قیامت تک پیغام حق کی نشر و اشاعت امت پر فرض کر دی گئی ہے، نیز ساری دنیا میں دین کا غلبہ ہونا باقی ہے جس کی جدوجہد امت پر واجب ہے تاکہ مظلوم انسانیت اسلام کے سایہ رحمت میں سکون حاصل کر سکے۔



افغانستان آخری صلیبی جنگ کا نقطہ آغاز

مبصر: ابو الفیض اعظمی

وجود پذیر ہونے والی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ ایک نظریاتی اور روحانی پس منظر رکھتی ہے۔ زیر نظر کتاب ”افغانستان آخری صلیبی جنگ کا نقطہ آغاز“ کل سات ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر میں مصنف نے نتیجے کے طور پر کچھ باتیں لکھیں ہیں جو پوری کتاب کا خلاصہ ہے۔

تمہیدی گفتگو کے تحت یہ لکھا گیا ہے کہ ”افغانستان پر امریکا اور نیٹو کی یلغار، جسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا گیا، درحقیقت اسلام اور اسلامی دنیا کے خلاف آخری صلیبی جنگ کا آغاز تھا۔“ مزید لکھا ہے کہ ”تمام صلیبیوں کا ہدف اسلام ہے۔ باقی جو کچھ ہم سنتے ہیں مثلاً بنیاد پرستی، سیاسی اسلام، اسلام ازم وغیرہ یہ صرف بہانے ہیں جو دنیا کو بے وقوف بنانے اور استعمال کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ اسپنے ہدف کو حاصل کیا جاسکے۔“ (ص ۵)

مصنف نے ”منصوبہ بند جارحیت“ کے عنوان سے ایک تعارفی نوٹ لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

”ستمبر کے آخر میں ۳۷ ممالک میں ایک سروے میں یہ سوال پوچھا گیا تھا کہ اگر

خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ موضوع ابھی تک برصغیر کے زیادہ تر علماء اور مسلم دانشوروں کی نظر میں غیر مانوس ہے لیکن اہل مغرب خصوصاً یہود و نصاریٰ اس کے ایک ایک حرف سے ناصرف واقف ہیں بلکہ اسے انجام تک پہنچانے اور امت مسلمہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے پوری طرح جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نائن الیون (11/9) کا واقعہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا اور افغانستان پر حملہ مذہبی نقطہ نظر سے تھا جس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

باطل کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ پوری امت مسلمہ کو مسلک اور قومیت کے نام پر تقسیم کر کے رکھے تاکہ ان کے اندر سے خلافت کا تصور ختم ہو جائے اور وہ ایک امیر کے جھنڈے تلے جمع نہ ہو سکیں، جہاں کہیں بھی اس طرح کی چنگاری نظر آ رہی ہو اسے لوہینے سے پہلے ہی بھسم کر دیا جائے۔ یہ سب جاسنتے ہیں کہ طالبان کی حکومت پوری طرح سے اسلامی نقطہ نظر پر قائم نہ تھی لیکن انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اسے ختم نہ کیا جائے تو یہی نوٹی پھوٹی کوشش آگے چل کر خلافت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے، جو غلامین

عابد اللہ جان (مقیم حال کینیڈا) پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک سیاسی تجزیہ کار، مشہور صحافی اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ Independent Center for Strategic Studies and Analysis سے وابستہ ہیں۔ آپ کی شہرت عالمی و سیاسی تصوروں کی وجہ سے بہت زیادہ ہے۔ آپ کے مضامین بین الاقوامی سطح کے برآمد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے طالبان حکومت میں UNDP کے ایک مشن کے تحت افغانستان میں مختلف طبقات کے افراد اور طالبان کے اہل کاروں سے باتیں بھی کی تاکہ طالبان حکومت کی پالیسیوں کے تحت ان کے ترقیاتی کاموں کا جائزہ لیا جاسکے۔

عابد اللہ جان نے نائن الیون کے واقعہ سے چند ہفتے پہلے دہشت گردی سے متعلق اپنی ایک زیر تصنیف کتاب کے سلسلے میں امامہ بن لادن اور امین الزواہری سے انٹرویو بھی کیا تھا جس کا تفصیلی ذکر کتاب میں موجود ہے۔

یہ کتاب ایک ایسے موضوع (آخری صلیبی جنگ) کے تحت لکھی گئی ہے جس پر بہت سے تجزیہ کار اور مصنفین نے اپنے اپنے حساب سے

دہشت گردوں کی شناخت ایک دفعہ ہو جائے تو امریکی حکومت کو کیا کرنا چاہیے؟ آیا اسے ان ممالک پر حملہ کرنا چاہیے جہاں ان دہشت گردوں کو پناہ مل رہی ہے یا امریکہ کو ان کی حوالگی کا مطالبہ کرنا چاہیے تاکہ ان پر مقدمہ چلا یا جاسکے۔ صرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت (جو پہلے سے ”دہشت گردوں“ کے ساتھ مصروف جنگ تھے) میں اکثریت نے جنگ کے حق میں رائے دی۔ ۸۰ فیصد یورپین، ۹۰ فیصد ساؤتھ امریکن، ۸۰ فیصد بوسنیا اور ۶۹ فیصد پاکستانیوں نے حوالگی اور مقدمہ چلانے کے حق میں رائے دی۔“ (ص ۲۲، ۲۱)

مصنف نے آگے لکھا ہے کہ افغانستان پر حملہ کرنے کے پیچھے انتہائی جذبہ نہیں بلکہ دوسری وجوہات تھیں جن میں ۳ قابل غور ہیں۔ پہلی وجہ طالبان کو تباہی سے دوچار کرنا تھا، تاکہ ان کا اسلامی امارت کا خواب چمکنا چور ہو جائے۔ دوسری وجہ امریکہ کے سامنے اس کی استعماری حیثیت کی ساکھ ہے۔.... اور تیسری وجہ وہ مفاد تھا جو کروئڈ کے نتیجے میں مال غنیمت یا لوٹ کی شکل میں ممکن الحصول تھا اور یہ وسطی ایشیا کی ملکوں کے تیل اور قدرتی گیس پر اختیار کا حصول تھا۔“ (ص ۳۲، ۳۳)

مصنف نے کتاب کے پہلے باب ”جنگ کے پس پردہ جذبہ محرک“ میں لکھا ہے کہ ”کروئڈ کا اعلانہ جو مالہ اور طالبان حکومت گرانے کے لیے عملی اقدام ہش کے ایسے اقدامات ہیں جنہوں نے نیکیتو لکس، ایوٹو گلسٹس، پروفٹنڈ کو مڈجی فرٹ پر لکھا کہ میں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔“ (ص ۲۲)

مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ”۲۰۰۱ء میں دیکھا گیا ہے کہ امریکی قہر صدارت کی توجہات کے تعین میں مذہبی قیادت کا کردار فیصلہ کن رہا ہے، جن میں افغانستان پر حملہ اور طالبان حکومت کو گرانا، سوڈان کے خلاف ”امن“ کے بہانے اقدامات اور عراق پر حملہ اور اسرائیل کی زیادہ اہتمام کے ساتھ حمایت جیسے فیصلے شامل ہیں۔“ (ص ۴۵)

کتاب کے تیسرے باب ”حقیقی چیلنج“ کی شروعات پھر اس طرح ہوتی ہے:

”میں آج کل عالمی اور مقامی دونوں سطح پر اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے۔ اس چیلنج پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ ہم نے اس ایٹو کو مدت تک نظر انداز کیئے رکھا ہے کیونکہ ہم میں برداشت کی صفت ہے اور کچھ ہم سست واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کے خلاف ہماری جو مخالفت ہے وہ دکھائی چاہیے اور بعض اوقات ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہیے۔“ (ص ۸۵)

مصنف نے کتاب کے چوتھے باب ”بہاد سے صلیبی جنگ تک“ میں ایک جگہ میڈیا کے پروپیگنڈے کے بارے میں لکھا ہے:

”ان تمام درخواستوں کو منظور کرنے کے لیے یہ شرائط رکھی گئیں کہ تمام تعلیمی سہولیات مخلوط تعلیم کی یقین دہانی پر ہی مہیا کی جائیں گی۔ روحانی رپورٹرز کو بتایا کرتے تھے کہ طالبان لڑکیوں کی تعلیم کے بالکل خلاف نہیں ہیں۔۔۔ تاہم یہ رپورٹرز اتنا تعصب برتتے کہ واپس جا کر رپورٹ دیا کرتے تھے کہ طالبان نے خواتین کی تعلیم پر پابندی مائد کر دی ہے۔“ (ص ۱۵۹)

چھٹے باب ”جنگ اور قبضہ کا جواز“ میں مصنف

نے ایک جگہ القاعدہ کے سلسلے میں یہ لکھا ہے: ”القاعدہ ایک سو اسیوں صدی کے عظیم ترین ”جھوٹوں“ میں سے ایک جھوٹ ہے۔ دنیا میں القاعدہ کی ہیئت سے کوئی تنظیم موجود نہیں ہے سوائے ان جھوٹی ویڈیوز کے جو اس کے متعلق بنائی گئی ہیں۔“ (ص ۲۲۳)

حاصل بحث کے طور پر مصنف نے کچھ الگ سے باتیں لکھی ہیں۔ وہ ان میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ”اشرفیہ کی ایک ”جمہوری“ حکومت جس طرح جھوٹ اور دھوکے کا سہارا لے کر اکثریت پر عمل کرانی کرتی ہے اس کے بارے میں اختلاف رائے کے متعلق نیویارک ناٹمز بات نہیں کرتا۔ جس اختلاف رائے کا تذکرہ اخبار کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے مطابق رہنے سے انکار کیا جائے اور قرآن کو اللہ کے آخری منشور کے طور پر تسلیم کرنے کو مسترد دیا جائے۔“ (ص ۲۷۲)

کتاب کا اسلوب بیان سستہ اور سادہ ہے، لیکن حقائق اور چشم کشا رپورٹوں اور دستاویزات کی وجہ سے سلاست اور روانی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض دفعہ کتاب پڑھنے سے من اتناہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ کتاب موضوع کے اعتبار سے اپنا ایک انفرادی مقام رکھتی ہے جسے پڑھنے کے بعد بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ ساتھ میں باطل کے منصوبوں کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملتا ہے۔

اس کتاب کے مترجم محمد نعیم صاحب ہیں۔ یہ کتاب ۳۵۰ صفحات پر مشتمل ہے بکتبہ خدام القرآن لاہور نے شائع کیا ہے۔

●●●

اللہ کے مددگار

خان مبشرہ فردوس

”بابا! یہ سب دولت مندوں کے کرنے کے کام ہیں۔ لوگ آپ کے دشمن بن جائیں گے۔ بابا آپ ہوش میں آئیں۔“ وہ اپنے بابا کو سمجھا نہیں پارہی تھی۔

”سوپ اچھا بنایا ہے یومینا! بوڑھے باپ نے بات بدلتی جاہی۔“

اسی دوران باہر شور کی آواز آئی.....

ابن مریم..... ابن مریم!

لبتی کے لوگ جمع ہو گئے۔ بوڑھا باپ اور بیٹی گھی گھی سے باہر نکل آئے۔ ابن مریم بلند ٹیلے پر کھڑا ہوا اور کہا: من انصارى الى الله (کون ہے اللہ کا مددگار؟)

یومینا نے اپنے بوڑھے باپ کی طرف دیکھا اور کہا: نہیں بابا! نہیں۔ اور گردن ہلا کر اشارہ کیا۔

بجوم سے دو تین آوازیں بلند ہوئیں:

”نحن انصار الله“ (ہم ہیں اللہ کے مددگار۔)

دس چندرہ آوازیں ساتھ آئیں..... وہ سب ہم آواز ہوئے اور نحن انصار الله آوازیں بلند کرتے ہوئے ابن مریم کی جانب بڑھنے لگے۔

”ہاں ملتا تھا۔“ مجھیرے نے جواب دیا۔

”بابا! بیوں مصیبت مول لیتے ہو؟ اس کی آواز میں آواز ملاؤ گے تو لوگ دشمن ہو جائیں گے۔ اور جھٹنے کے دن مچھلی پکڑنے سے بھی عروم ہو جائیں گے۔“ یومینا باپ کو لالچ دے کر سمجھانا چاہتی تھی۔

کچھ نہیں ہوگا۔ ایک دن اگر مچھلی نہیں پکڑوں گا تو کون سا طوفان آجائے گا؟ تم نے اس کی باتیں سنی ہوئیں تو تم بھی اس کے ساتھ کتنی:

”میں ہوں مددگار۔“

”بابا آپ بات کو سمجھتے نہیں؟ کیوں سچھ کی زندگی دکھ میں ڈال رہے ہو؟“

بابا نے کہا: ”بیٹا زندگی کے دکھ رب کے مدد گار بننے سے کم ہو جاتے ہیں۔“

بابا! رب تو طاقت رکھتا ہے۔ اسے ہمارے مدد کی کیا ضرورت ہے؟

بیٹا! زمین پر لوگوں کے دکھ کم کرنے سے رب کی مدد حاصل ہوتی ہے اور زندگی میں سچھ اور چین حاصل ہوتا ہے۔

آج مچھلیاں زیادہ ہاتھ آئی تھیں۔ اور ایسے داموں میں فروخت بھی ہوئیں۔ بوڑھا مجھیرا جال کو ہاتھ میں لیے ہوئے تھکا ماندہ گھر میں داخل ہوا۔

گھر کیا تھا، ایک جھوپڑی تھی، جس میں دو (۲) چار پائی، ایک بوسیدہ سی میز، مٹی کا گھڑا اور اس پر رکھا پانی بیٹے کا پیالہ تھا۔ یہی اس کا کل اثاثہ تھا اور یہی کل سرمایہ۔ اس کے باوجود یہ علاقے کاسب سے مال دار مجھیرا مانا جاتا تھا اور قسمت والا بھی، جس کے جال میں سب سے زیادہ مچھلیاں پھنستی تھیں۔

مجھیرے نے جال کو کھوٹی پر لٹکایا اور اپنی بیٹی کو آواز دی: ”یومینا کچھ کھلا دو؟“ ”لائی بابا!“

یومینا نے بوسیدہ کلوئی کی میز پر کھانا رکھا اور قریب رکھے اسٹول پر بیٹھ کر اپنے بوڑھے بابا کی آنکھ میں جھانکتے ہوئے کہنے لگی:

”بابا! ادھر دیکھو میری طرف۔ پھر ملے تھے آپ ابن مریم سے؟“

”بابا۔!“ بات اس منحنی کرتے دیکھ کر، یومینا نے بلند آواز سے دو بارہ والد کو مخاطب کیا۔

تماشا ہی دم بخود تھے۔ جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو، یا کھڑے کھڑے بے ہوش غاری ہو چکی ہو وہ چند ہی نفوس ہم آواز تھے۔ لیکن ان کی آواز کا سحر تماشاویوں کو جامد کر چکا تھا۔ نحن انصار اللہ کی آوازوں کے ساتھ لوگ ابن مریم کے ساتھ ہوتے گئے۔

ماحول پر سحر غاری تھا۔ ہوش آیا تو تماشاویوں میں سے ایک نے کہا: ”ختم کر دو انہیں۔ مار ڈالو انہیں۔ یہ سب کچھ برباد کر دیں گے۔“

”دادو ان کی آواز میں.....“ ان نعروں کے ساتھ وہ سب ان پر پل پڑے۔ وہ انہیں ختم کر دینا چاہتے تھے۔

بیٹی نے کہا: ”باہا تم نے بڑی مصیبت مول لی۔“ ابن مریم کے ساتھ وہ آسمان کی جانب بڑھنے لگے۔ لیکن ان کی آواز میں، بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ پھر سے ہوتے ہجوم کا شور مچا رہتا تھا۔ ان کا شور مددگاروں کی آوازوں میں دب کر رہ گیا۔ ”انصاری الی اللہ کی آواز میں چہار دانگ عالم میں پھیلتی گئیں۔ بعد والوں نے بھی نہیں اور جوڑن سکے، ان تک بھی پہنچائی گئیں۔ وہ ایک قصے کی شکل اختیار کر گئیں..... قصہ گو کچھ دیر کا پھر کہنے لگا:

ان کی کامیابی تو دیکھو! جب وہ مدد پر لبیک کہہ رہے تھے تو، دولت، شہرت، عزت اور نام، سب جھن جانے کا خوف دلا یا جا رہا تھا۔ لیکن اس مددگاری کی برکت سے بعد کی زندگی میں ہمیشہ ہمیش کی دولت ان کے ہاتھ آئی۔

ان حواریوں کا قصہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو سنایا اور رفتی دنیا تک سنایا جاتا رہے

گا۔ لوگ جب بھی ”سکو نوا انصار اللہ“ کی صدا بلند کرتے ہیں تو ”نحن انصاری الی اللہ“ اور ”نحن انصار اللہ“ کا قصہ ضرور سنا تے ہیں۔ نام اولاد سے چلتا ہے اور ان کا نام انصار میں دوام پا گیا۔ قصہ گو خاموش ہوا اور کہا: بچو! یہ قصہ تو ختم ہوا۔ ایک نوجوان کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: ”چاچا!

اب بھی لوگ کورونا کے قہر سے نہیں نکلے، اپنے عزیزوں کو زمین کے حوالے کر کے لوٹے ہیں۔ لوگ فقط سالی سے پریشان ہیں۔ معیشت، تعلیم روزگار سب بند ہے۔ شہر کا منظر شہر آشوب ہے۔ مادہ کی حقیقت اس وبا کے قہر میں کھل گئی ہے۔ پیسہ، بیچ، مایہ معیشت سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ ظالم کا ظلم کم نہیں ہوتا، مظلوم کی آہ و فغان پر

کوئی کان نہیں دھرتا۔ حق دار گھلا گھونٹ دیا جاتا ہے، مایوسی کا گھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ انسان انسان کا ڈنک ہے، عزیز ترین رشتے بھی خود بیزاری اور خدائیزاری کا شکار ہیں۔ انسانوں سے انسانوں کو خطرہ ہے۔ خوف و ہراس ہے کہ کم نہیں ہوتا، اب سکون کی تلاش ہے کیا کریں چاچا؟

قصہ گو نے پورے انہماک سے نوجوان کی بات سنی اور گویا ہوا: ”پکارنے والا پکار رہا ہے: ”نحن انصاری الی اللہ“۔ اٹھو اور کہو: نحن انصار اللہ۔“

انصار اللہ۔ (ہم ہیں اللہ کے مددگار) اب یہی راستہ ہے بیٹا! جو چیز اس آواز پر لبیک کہنے سے روکے، سمجھ لو کہ کامیابی سے رک جاؤ گے۔ ہر چیز اس کی مدد کے ساتھ مل جائے گی، یہی کامیابی بڑی ہے۔ انسانوں کی بلا دستی کے خوف پر غلبہ پانا ہے تو اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ معیشت پر بھروسہ ہے تو جان لو کہ مال و متاع بھی مدد کے

لیے استعمال ہو سکتی ہے۔ اولاد کا خیال روکے تو جواب دہ لوگ میرے پاس بچوں کو دینے کے لیے اس سے بڑا اور کیا ہو سکتا ہے؟ نا تو نبی کا احساس بڑھے تو کہو کہ زندگی فانی ہے۔ اس دائم رہنے والی آواز کا مددگار کیوں نہ بنوں؟ دنیا کی کامیابی کا خیال زنجیر ڈالے تو خود سے کہو کہ اصل کامیابی تو آخرت کی زندگی ہے۔ دل اگر فرانس کی ادائیگی میں تذبذب پیش کرے تو دماغ سے کہو کہ اللہ کی مددگاری بھی فریضہ ہے، ساتھ ساتھ فرانس کی ادائیگی پلٹی رہے گی اس مددگاری پر وقت کی کمی کا احساس لاحق ہوتا یاد رکھو! وقت کی برکت بھی رب کے اختیار میں ہے۔ بیٹا! بس اس آواز پر لبیک کہو، جس میں انسان کی نجات ہے۔“

جب صدا بلند ہو کہ: نحن انصاری الی اللہ۔ (کون ہے اللہ کا مددگار؟)

جواب دے دو کہ: نحن انصار اللہ۔ (ہم ہیں اللہ کے مددگار)

اور پکارنے والے کے ساتھ کہو: کونوا، انصار اللہ۔ (جو ماؤ اللہ کے مددگار)

قصہ گو نے اپنی بات ختم کی اور تھپلا اٹھا کر جانے لگا تو جوان اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے، حتیٰ کہ وہ نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ پیچھے بوڑھے اور جوان کپڑے جھاڑتے ہوتے اٹھے اور مغرب کی جانب ”سکو نوا انصار اللہ“ (جو ماؤ اللہ کے مددگار) کی صدا لگاتے ہوئے قافلے کی شکل میں بڑھنے لگے۔ دیکھنے والا دیکھ سکتا تھا کہ ان کے حوصلے بلند، ان کے عراجم چٹان کی طرح اور وہ ایک طوفان کی مانند صدا لگاتے ہوتے بڑھے جا رہے تھے۔

●●●

محراب گل افغان

اپنی خودی پہچان، او غافل افغان

علامہ اقبال نے ضرب کلیم کے آخری حصہ میں افغانستان اور افغانیوں کے بارے میں 'محراب گل افغان' کے ایک فرتبی نام سے اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر افغان بیدار ہو جائیں گے تو تم سے کم ایشیا میں اسلام سر بلند اور غالب ہو جائے گا۔ ان نظموں میں علامہ کی فکر "میں عجب کہ اس قوم کی بیداری میں میں کوئی حصہ لے سکوں، جھلکتی ہے۔ یہ نظم انہیں میں سے ایک ہے۔"

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زر خیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزند کوہستان! اپنی خودی پہچان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

معنی: وافر: بھرت، بہت زیادہ۔ دہقان: کسان
تشریح: اگر ایک کسان کے پاس کھیتی کے لئے سارے وسائل موجود ہوں اور وہ اپنا کھیت نہ سینچے تو ایسا کسان کسان نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تم کو جسمانی قوت دی ہے، شجاعت و حوصلہ بھی دیا ہے اور انقلاب کے لیے جنگ و جدل کا شوق بھی دیا ہے تو پھر تم کو اپنی ان صلاحیتوں کو اسلام (کھیتی) کے فروغ میں استعمال کرنا چاہیے۔

معنی: کوہستان: پہاڑ، پہاڑی ملک۔
تشریح: اے پہاڑ کے دامن میں رہنے والے بہادر! تم آنکھ اٹھا کر پوری دنیا کو دیکھو ہر طرف انقلاب کی آمد آمد ہے، چاہے وہ یورپ ہو، شام ہو یا ہندوستان، پہاڑ جانب بدلاؤ نظر آئے گا۔ اے فرزند کوہستان! تم بھی اب غفلت کو چھوڑ کر اپنی دینی و اسلامی شناخت کو پہچانو، قدرت نے تمہارے اندر جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان کو بروئے کار لا کر اسلام کے پرچم کو سر بلند کرو۔

ڈھونڈ کر اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہقانی پر سُلطانی قسربان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

اوپنچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں شہد نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

تشریح: اقبال افغانیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں یاد رکھو! جس کسی نے اپنا محاسبہ کر کے اور اپنی ذات پر غور و فکر کر کے اپنی خودی اور صلاحیتوں کو پہچان کرنا سیکھ لیا، ایسے کسان اور مزدوری عظمت کا مقابلہ کوئی سلطان بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اسے عظمت میں بڑے ہوئے افغان! اپنی عظمت اور خودی کو پہچان۔

تشریح: جس طرح اونچی لہروں کے بنا کسی سمندر کا وجود نہیں اور تیز ہواؤں کے بنا کوئی طوفان نہیں ہوتا، تمہیں بھی اپنی صفوں کو اتنا مضبوط بنانا ہوگا کہ سمندر کی لہروں کی مانند باطل پر ڈٹ جاؤ اور ان پر ٹوٹ پڑو اور تمہیں وہ طوفان بنانا ہوگا جس میں باطل خس و فاشا کی طرح اڑ جائے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ممکن ہے جب تم اپنی خودی اور ایمان کو بلند سے بلند کر دو۔

تیسری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
علم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

تشریح: علامہ کہہ رہے ہیں کہ یہ بیچ ہے کہ اے افغان! تمہاری وادیوں میں علم و حکمت اور علماء کی اتنی محنت نہیں ہے جتنی ہندوستان اور باقی دنیا میں ہے۔ لیکن تیری یہ کٹلی ان علماء اور فاضل سے بہتر جنہوں نے ذاتی انراض اور چند دنیاوی فائدوں کے لئے اپنا دین و علم باطل کے ہاتھوں بیچ ڈالا ہے۔

رپورٹ برائے مہم

بعنوان: دوڑوا اپنے رب کی طرف

دو چار ہوئی ہے لیکن جب اس نے مخلصانہ طریقے سے اپنا رخ اللہ کی طرف کیا تو وہیں سے زوال عروج میں بدل گیا۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم توبہ و استغفار و صبر و استقامت اور توکل علی اللہ کے ذریعے شعوری طور پر اپنے رب سے وابستہ ہوں تاکہ اس کی نصرت اور تائید سے مشکل حالات سے نکل سکیں۔

آئی وائی ایف نے اپنے ممبران اور ریڈیوس کے ساتھ مہم کے پیغام کو مہلت تک پہنچانے اور عام کرنے کے لئے دس سے زائد صوبوں میں ممکنہ تمام طریقوں کو اختیار کیا اور مہلت کی جانب سے اس سلسلے میں الحمد للہ مثبت رویہ سامنے آیا جس کا اظہار اکابرین مہلت نے اپنے ویڈیو پیغامات اور انٹرویوز کے ذریعے کیا۔ سب سے پہلے صدر تنظیم برادر معاذ جاوید نے اپنے ویڈیو پیغام کے ذریعے امت کے سامنے موجودہ حالات کی گہنی کو واضح کیا اور پھر ان حالات سے نکلنے کی ممکنہ تدابیر بھی پیش کیں۔ آپ نے اپنے خطاب میں واضح کیا کہ موجودہ حالات نئے نہیں ہیں، ان حالات کے مقابلے کے لیے ہمیں سب

پرستانہ اور ملحدانہ افکار کا تھوپا جانا، نصابی کتابوں سے حقائق کی تبدیلی کے ذریعہ مسلم شخصیات کو مطعون کرنا اور تعصب پر مبنی مواد کی اشاعت، مدارس، مکاتب اور ملی اداروں کی آزادی کو ختم کرنے کی کوشش، حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے باری مسجد کے سلسلہ میں انصاف کا قتل، گھر واپسی، لوجہاد، ذبیحہ پر پابندی، مسلم مکتب بھارت بنانے کی کوشش، مشرکانہ کلمات اور اعمال کو خصوصاً مسلمانوں پر تھوپا جانا، گانے کے نام پر مسلمانوں کی ماب لچنگ، عبرت و ناموس کی پامالی، مختلف فرضی الزامات کے تحت مسلم نوجوانوں کو جیلوں میں قید کرنا، کورونا کے نام پر مسلمانوں کو بدنام کرنا وغیرہ اس کی کچھ مثالیں ہیں۔

مہلت کی اس موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے اسلامک یوتھ فیڈریشن نے 15 تا 30 ستمبر ایک کل ہند مہم بعنوان ”دوڑوا اپنے رب“ کی طرف منانے کا فیصلہ کیا۔ آئی وائی ایف کا ماننا ہے کہ مہلت اس طرح کے حالات سے پہلی دفعہ نہیں بلکہ تاریخ میں اس سے سنگین حالات سے وہ بارہا

مہلت اسلامیہ ہند کو موجودہ حالات میں تمام محاذوں پر سخت چیلنج درپیش ہیں۔ داغی نماز پر نگاہ ڈالی جائے تو ایمان کی کمزوری، اخلاق کی پستی، اتحاد کا فقدان اور اس کے نتیجے میں پایا جانے والا خوف و ہراس اور بزدلی و مایوسی نے عوام و خواص سب کو شکار بنا لیا ہے۔ ہماری اس درگوں صورت حال کے پیچھے اگرچہ خارجی اسباب کارول بھی ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ افراد اور قومیں اگر داغی نماز پر مضبوط ہوں اور عزم مصمم کے ساتھ جہد مسلسل جاری رکھیں، تو بڑی سے بڑی آزمائش کو اٹھیر کر سکتی ہیں۔

مہلت اسلامیہ ہند ایک لمبے عرصہ سے مختلف آزمائشوں کا شکار ہے۔ بالخصوص تقسیم ہند سے شروع ہونے والے مسلم مخالفت اقدامات کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مسلمانوں کے ملی وجود کو پارہ پارہ کرنے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ ان کی تہذیبی شناخت پر جارحانہ حملے کرنا مختلف بہانوں سے مسلم پرسنل لاز میں چھیڑ چھاڑ کرنے اور یکساں سول کو ڈکو نافذ کرنے کی کوشش، عصری نظام تعلیم کے ذریعہ مادہ

(غزل)

جب بھی نیرول پہ سر اچھتے ہیں
 علم کے آفتاب ڈھلتے ہیں
 آندھیو ہم سے دوستی نہ کرو
 ہم ہوا کے غلات پلتے ہیں
 راز جاننا تری تبتیہی کا
 ”حوصلے مشکلوں میں پلتے ہیں“
 ان کے نقش قدم کی برکت ہے
 آندھیوں میں چراغ بھلتے ہیں
 یہ براہیم کا گھرانہ ہے
 ایڑیوں سے کنوئیں نکلتے ہیں
 یاد آتا ہے اضطرابِ بلا
 دھوپ میں جب بھی پاؤں بھلتے ہیں
 کاش کل کی بھی ان کو فخر رہے
 آج جو پھولتے ہیں بھلتے ہیں
 جھرتیں پھوٹ پھوٹ روتیں ہیں
 جب کہیں راستے بدلتے ہیں
 آج پروانوں کا موسم ہے
 دل میں ارمان کبھی بھلتے ہیں
 غیرتیں بیچ کر میاں بڑھی
 لوگ بے کار ہاتھ ملتے ہیں
 (سرفراز بڑھی)

اعلان برائے اشتہار رقابو

نقوش راہ کو مالی تعاون درکار ہے جس کے لیے آپ اپنے
 اشتہارات اور مالی تعاون دے سکتے ہیں تفصیلات کے
 لئے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

+91 9156564239

سے پہلے اپنے رب سے تعلق کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر اسٹیٹ نے مرکز کی رہنمائی میں اپنے اپنے علاقے کے حساب سے منصوبہ بندی کی۔ اور پھر منظم طریقے سے ہر اسٹیٹ میں مہم کا آغاز ہوا۔ اتر پردیش میں پردیس کانفرنس کے ذریعے مہم کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد 20 سے زائد اضلاع میں پیٹر، پوسٹر، بیڈز، فولڈرز، کارڈز، میٹ، خطبات جمعہ، ٹی پارٹی، عوامی اجتماعات، اسٹوڈنٹس میٹس، میڈیکل پوسٹر، سوشل میڈیا پر مہم کے علماء اور دانشوروں کی لکھنؤ اور انڈیاز شریہ Share کیے گئے اور آرتھریس ڈویژن سطح کی کانفرنس کے ذریعے مہم کے پیغام کو پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ مہاراشٹر اور بنگال میں مہم کا آغاز 15 ستمبر سے باقاعدہ ہوا۔ پیٹر، پوسٹر، بیڈز، بل، کارڈز، میٹ، خطبات جمعہ، عوامی پروگرام اور سوشل میڈیا کے ذریعے مہم کا پیغام پہنچایا گیا۔ اسی طرح، راجستھان، دہلی، جھارکھنڈ، چھتیس گڑھ، کرناٹک، تامل ناڈو وغیرہ میں مختلف پلیٹ فارمز پر طلبہ و نوجوانوں کے علاوہ عوام تک مہم کے پیغام کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

مہم کے دوران ہی آسام کے مسلمانوں پر علم و ستم اور ملک کے نامور داعی مولانا کلیم صدیقی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ظالمانہ گرفتاری کے تکلیف دہ واقعات سامنے آئے۔ آسام میں غریب مسلمانوں کے آٹھ سو گھروں کو مسما کر دیا گیا، کچھ لوگوں نے احتجاج کیا تو ان پر گولیاں چلائی گئیں، دوسری طرف مولانا کلیم صدیقی اور ان کے ساتھیوں پر اشاعت اسلام کی جہد و جہد کے الزامات لگائے گئے۔ ان واقعات کی وجہ سے مسلمانوں میں غم و غصہ کے ساتھ ساتھ مایوسی کی کیفیت بھی نظر آئی جس کو سامنے رکھ کر مہم کے دوران امت کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ آزمائش ایمان کا حصہ ہے اور ہمیں ہر حال میں اللہ سے تعلق مضبوط کرنے کی شعوری کوشش کرنی چاہئے کیونکہ بغیر اس کی تائید اور نصرت کے ہم باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس مہم کو مہم کو مہم کے لئے بیداری کا ذریعہ بنائے اور آئی وائی ایف کے افراد کی جہد و جہد کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

مہم کے آخر میں متعدد مقامات پر عوامی کانفرنسوں کا انعقاد ہوا۔ یو پی میں اعظم گڑھ ڈویژن کا افتتاحی پروگرام یکم اکتوبر بروز جمعہ جامعہ الفلاح کے مولانا الیوٹ ہال میں ہوا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی اور ڈاکٹر وجیہ القدر نے عوام سے خطاب کیا۔ اسی طرح لکھنؤ اور علی گڑھ ڈویژن

مہم کی اہم جھلکیاں



اعظم گڑھ ڈیویشن یوپی



کارزمیٹ گورکھپور یوپی



کاروان، قطب پشاور، رازی، قلیا، سر اورڈ، یادو، بھوجپور



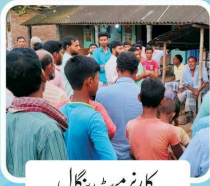
علی گڑھ ڈیویشن یوپی



پریس میٹ لکھنؤ یوپی



خطبہ جمعہ بنگال



کارزمیٹ بنگال



عوامی پروگرام بنگال



وال رائٹنگ بنگال



اسٹوڈنٹس میٹ بنگال



کارزمیٹ کرناٹک



یک روز ترقی پروگرام تامل ناڈو



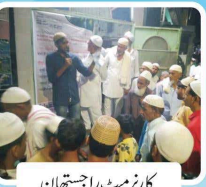
تعارفی پروگرام برائے مہم تامل ناڈو



عوامی پروگرام رائے پور، جھتیس گڑھ



ٹی پارٹی جھتیس گڑھ



کارزمیٹ راجستھان



عوامی پروگرام راجستھان



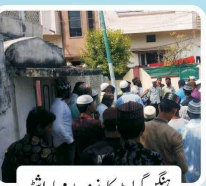
کارزمیٹ چتر پور جھارکھنڈ



کارزمیٹ رائیچی جھارکھنڈ



چتر پور جھارکھنڈ



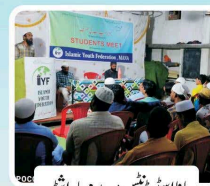
ہنگن گھاٹ کارزمیٹ مہاراشٹر



ٹی پارٹی پرگھا مہینی



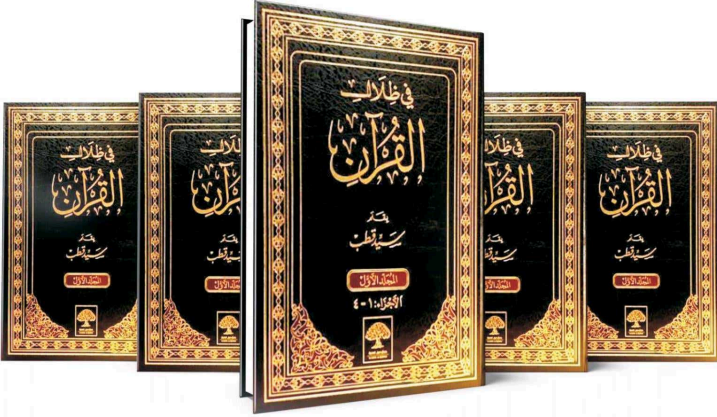
اسٹوڈنٹس میٹ ناندیڑ مہاراشٹر



مانا اسٹوڈنٹس میٹ مہاراشٹر



کارزمیٹ جوگیشوری، مہینی



فضائل القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایانا ز تفسیر کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علی صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاجی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شستہ ، ثقافت اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر - دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر - وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پرکشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

9599693655
gpddelhi2018@gmail.com

موبائل
ای میل

اپنا آرڈر بک کرائیں

ORDER
NOW

